ماہنامہ **الفرقان** لکھنؤ

جلد (۱۶) بابتہ ماہ رمضان و شوال ۱۳۶۸ھ مطابق جولائی و اگست ۱۹۴۹ء نمبر ۹ و ۱۰

خریدارانِ "الفرقان" سے!

◯ یہاں سرخ پنسل کا نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا آئندہ کیلئے اپنا چندہ منی آرڈر سے روانہ فرما کر ممنون فرمائیے۔ اسی لئے منی آرڈر فارم بھی جناب کو بھیجا جا رہا ہے، اگر اگلے رسالہ کی اشاعت تک آپ کا چندہ یا خدانخواستہ انکاری اطلاع دفتر میں نہ پہونچی تو حسب قاعدہ اگلا پرچہ وی، پی حاضر خدمت ہوگا۔

ناظم "الفرقان" لکھنؤ

شکر و دعا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصٰلحٰت

حق تعالیٰ کے فضل وکرم اور اُسکی مدد و توفیق سے "الفرقان" کا یہ "حج نمبر" صرف چھ سات ہفتے کی مُدت میں مضامین کی تیاری و ترتیب اور کتابت وطباعت کے سارے مرحلوں سے گزر کر ناظرین کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے ۔ فللہ الحمد شکراً ولہ المنۃ فضلاً ۔

جس ربِّ کریم نے اپنے ایک حقیر بندہ کے دل میں پہلے اس کا خیال پیدا کیا، پھر اس خیال کو عزم اور فیصلہ بنا دیا، پھر اپنی خاص مدد سے اس کو عمل میں لانے کی توفیق دی ۔ اُسی سے دُعا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے بندوں تک اس کو پہنچانا ہمارے لئے آسان فرمائے اور اسکے مطالعہ کے ذریعہ اُن کے قلوب میں حج وزیارت کا شوق و ذوق اور وہ خاص کیفیات اور جذبات پیدا فرمائے جو سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ؐ کی خاص میراث ہیں ۔ (علیہما وعلیٰ آلہما الصلوات والتسلیمات)

اللھم ھذا الدعاء ومنک الاجابۃ ومنا الجھد وعلیک التکلان

باسمہٖ سبحانہٗ حامداً و سلاماً

نگاہِ اوّلیں!

بعض اہل تجربہ سے سُنا تو پہلے بھی تھا کہ حج کو جانے والوں میں بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں کو حج کی عظمت اور اس مقدس سفر کی خصوصیت کا کچھ بھی احساس نہیں ہوتا بلکہ دنیا کے عام سفروں کی طرح وہ یہ سفر بھی کرتے ہیں ؛ گرچہ احرام باندھتے حج کے دوسرے ارکان بھی ادا کرتے ہیں اور مدینۂ طیبہ بھی حاضر ہوتے ہیں لیکن ایک حج کرنے والے کی جو حالت ہونی چاہئے عظمت و ادب شوق و ذوق اور فدائیت و فنائیت کی جو کیفیات جس طرح اس پر طاری ہونی چاہئیں، اُن کا کوئی اثر بھی اُن پر معلوم نہیں ہوتا۔

بہرحال یہ بات سنی پہلے بھی تھی لیکن چونکہ کبھی خود اس کا تجربہ اور مشاہدہ نہیں کیا تھا اس لئے دل کو کبھی اس کا غیر معمولی احساس نہیں ہوا۔

گزشتہ سال (۱۳۶۷ھ) شوال کے مہینہ میں حج کو جانے والے بعض بڑے بڑے قافلوں میں کچھ تبلیغی کام کرنے کا اتفاق ہوا تو جو کچھ سنا تھا اُس سے بہت زیادہ آنکھوں سے دیکھ لیا ——— بیسیوں حج کو جانے والے ایسے دیکھے جن بیچاروں کو کلمہ بھی صحیح طور سے یاد نہیں تھا اور بیسیوں سے زیادہ شاید پچاسوں ایسے نظر آئے جن کی عملی حالت یہ تھی کہ حج کو جا رہے تھے مگر اپنی فرض نمازوں کی بھی فکر نہ تھی، بے تکلف قضا ہو رہی تھیں ——— اور (بس دس پانچ بندگانِ خدا کو مستثنیٰ کرکے) یہ حالت تو سب ہی کی تھی کہ سچے حاجیوں کی جو ظاہری و باطنی کیفیات ہونی چاہئیں اُن لوگوں میں اس کی کوئی جھلک بھی محسوس نہ ہوتی تھی، اور غضب یہ کہ انھیں اپنی اس حالت پر کوئی افسوس بھی نہ تھا بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ انھیں اس بارہ میں کوئی احساس ہی نہیں ہے۔

حج کو جانے والے ان بیچارے سیکڑوں مسلمانوں کو اس حال میں دیکھ کر دل پر بڑی چوٹ لگی،

اور مسلمانوں کی دینی اصلاح اور عمومی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں جو کچھ کام ہو رہا ہے (الفرقان جس کا خاص داعی ہے اور جس کے متعلق اس کے صفحات میں برابر لکھا جاتا رہتا ہے) اسکی ضرورت کا احساس اور یقین اور زیادہ بڑھا۔ اسی وقت دل نے ۲ دو فیصلے کئے ——— ایک[1] یہ کہ اصلاح و تبلیغ کے سلسلہ میں جو کوششیں ہو رہی ہیں ان کو زیادہ وسیع و منظم کرنے اور زیادہ موثر بنانے کے طریقوں پر غور کیا جائے اور اس کے لئے ہر وہ تدبیر استعمال کی جائے جو ہمارے امکان میں ہو۔ بقول رفیق محترم مولٰنا سید ابو الحسن علی کے "اب وہ گھڑی آگئی ہے کہ اپنے ترکش میں جو بھی تیر ہو وہ نشانہ پر پھینکدیا جائے اور اپنی امکانی کوششوں کے صرف کر دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے۔"

دوسرا[2] فیصلہ دل نے حج کے جانے والوں کے بارہ میں یہ کیا کہ اللہ کے یہ بندے جو ہر سال ہزارہا ہزار کی تعداد میں دین کا ایک مقدس رکن ادا کرنے ہی کے لئے جاتے ہیں انکی ضروری درجہ کی دینی تعلیم و تربیت کی کوشش کی طرف آئندہ سے خصوصی توجہ کی جائے اور ان کے اس سفر کے دوران ہی میں (جبکہ یہ لوگ کم از کم دو تین مہینے کے لئے اپنے دنیوی مشاغل سے فارغ اور خانگی افکار سے بالکل آزاد ہو جاتے ہیں) ان میں اصلاح و تعلیم کا کام خاص اہتمام اور نظام سے کیا جائے۔

اگرچہ یہ کام بھی الحمدللہ کئی سال سے ہو رہا ہے اور گذشتہ چند سالوں میں اللہ کے بہت سے باتوفیق بندوں نے اس سعادت میں حصہ لیا اور جہازوں میں آتے جاتے مکۂ معظمہ اور مدینۂ طیبہ کے زمانۂ قیام میں بھی حجاج میں دین کی دعوت اور اصلاح و تعلیم کا کام اپنی بساط کے مطابق بعض تبلیغی جماعتوں نے کیا اور الحمدللہ اس کے نتائج بھی بہت امید افزا نکلے، لیکن گذشتہ سال حاجیوں کی ایک بڑی تعداد کو دین اور اس کے فرائض و واجبات سے اس قدر ناواقف اور غافل دیکھ کر راقم سطور نے اسکی خاص ضرورت محسوس کی کہ کام کے خاص اس شعبہ کی طرف غیر معمولی توجہ کرکے اس کو زیادہ سے زیادہ وسیع اور منظم کیا جائے ——— یہ کام جس طریقہ پر ہونا چاہیئے اس کا مختصر خاکہ زیر عنوان

حجاج میں اصلاحی و تبلیغی کام کی ضرورت اور اُس کا طریقہ

اس نمبر کے آخری صفحات میں آپ کی نظر سے گذرے گا۔

حجاج میں اس عمومی اصلاحی کام کے علاوہ خاص حج سے متعلق جس خصوصی کام کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ حج کی حقیقت اور اس کی عظمتوں سے ان کو واقف کیا جائے اور ذوق و شوق کی الہانہ کیفیات اور عشق و محبت کے وہ جذبات ان میں پیدا کرنے اور ابھارنے کی کوشش کی جائے جو دراصل حج کی رُوح اور اس کا خاص سرمایہ ہیں۔

اس مقصد کے لئے مناسب معلوم ہوا کہ خاص اہلِ تجربہ اور اہلِ دل حضرات سے ایسے مضامین لکھائے جائیں جن کے مطالعہ سے عازمینِ حج پر حج کی حقیقت منکشف ہو اور حج اور متعلقات حج کا احساس دل میں پیدا ہو اور عشق و محبت اور ذوق و شوق کے جذبات برافروختہ ہوں —— اسی تجویز اور خیال کی عملی شکل یہ "حج نمبر" ہے۔ معلوم نہیں کہ مقصد کے لحاظ سے ہماری یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہو، اور اصل کامیابی تو قبول عند اللہ ہے، اور اپنی ہزار ہا نااہلیتوں اور گندگیوں کے باوجود اُس کریم سے اچھی ہی اُمید ہے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

اس نمبر کی تیاری اور ترتیب کا کام بہت ہی جلدی اور رواروی میں ہوا ہے۔ رجب کا مہینہ قریباً آدھا آچکا تھا کہ اس کا ارادہ کیا گیا، مضامین و مقالات کے لئے جن حضرات پر نظر گئی رجب کی آخری تاریخوں میں اُن سے استدعا کی گئی کہ صرف ہفتے دو ہفتے میں اگر وہ مضمون تیار فرما سکتے ہوں تو تیار فرما دیں۔ جن حضرات نے ازراہِ عنایت اس استدعا کو قبول فرمالیا اور مقررہ وقت تک مضامین مرحمت فرما دیئے بس اُنھیں حضرات کے مضامین اس میں شامل ہو سکے ہیں —— افسوس ہے کہ بعض حضرات جن کے مضامین کی خاص توقع تھی وقت کی تنگی کی وجہ سے آخر میں انھوں نے معذرت فرما دی اور اس لئے موضوع کے بعض وہ گوشے باقی رہ گئے جن پر لکھنے کی اُن حضرات سے توقع تھی، اور الفرقان کے گذشتہ پرچہ میں اُمید کی بناء پر جن کا تذکرہ بھی کر دیا گیا تھا۔ اگر اللہ نے کیا اور اس نمبر کے دوسرے اڈیشن کی نوبت آگئی تو انشاء اللہ اُس وقت یہ کمی پوری کر دی جائیگی۔

علیٰ ہذا اس کی کتابت اور طباعت بھی بہت ہی عجلت اور تیزی کے ساتھ ہوئی ہے اسی لئے مختلف کاتبوں سے کام لینا پڑا، اور یہ سب مجبوراً اس لالچ میں کیا گیا کہ کسی طرح آخر رمضان یا شروع شوال میں شائع ہو سکے تاکہ رمضان کے بعد پہلے جہاز سے جانے والے حجاج تک بھی ہم

اس کو پہنچا سکیں۔

بہرحال اس جلدی اور رواروی میں جیسا کچھ تیار ہو سکا ہے اللہ کے بندوں کی خدمت میں پیش ہے ـــــ اگر اس کے مطالعہ سے چند بندگانِ خدا کے دل میں بھی حج و زیارت کا شوق پیدا ہو جائے یا اللہ و رسولؐ کے ساتھ ان کی محبت میں ایک لہر کا بھی اضافہ ہو جائے یا چند حج کو جانے والوں کو اس سے وہ فائدہ پہنچ جائے جو اس کاوش کا اصل مقصد ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی شانِ کرم سے اس کوشش کو اپنی راہ کی کوشش قرار دے لیں اور کسی مخلص کے اخلاص کی برکت اور دعا سے اس کو قبول فرمالیں تو پھر یہ کوشش کامیاب ہے اور ہم بامراد ـــــ ورنہ اپنا تو کوئی عمل بھی اس دربار میں قبول ہونے کے لائق نہیں، سارا بھروسہ ان کی شانِ کریمی ہی کا ہے۔

اللھم اصنع بنا ما انت اھلہ ولا تصنع بنا ما نحن اھلہ انت اھل التقویٰ واھل المغفرۃ واھل الجود واھل الکرم واھل الاحسان ۃ

نمبر کے مندرجات کے متعلق چند کلمات:-

اس نمبر کے مضامین گنتی میں بہت تھوڑے ہیں لیکن الحمد للہ بعض مضامین معنویت اور افادیت کے علاوہ صفحات کے لحاظ سے بھی کئی کئی مضمونوں کے برابر ہیں۔

خصوصاً رفیقِ محترم مولانا سید ابو الحسن علی کا مقالہ جو اس نمبر کا سب سے بڑا اور سب سے اہم مقالہ ہے وہی تنہا کئی مقالوں کے برابر ہے، اور یہ عرض کیا جائے تو انشاء اللہ بیجا نہ ہوگا کہ اگر صرف یہی ایک مقالہ اس نمبر میں ہوتا تو مقصد کے لئے بالکل کافی تھا ـــــ اس مقالہ کے متعلق یہ ظاہر کر دینا بھی میرے لئے ضروری ہے کہ مولانا موصوف نے بڑے اصرار کے ساتھ مجھ سے فرمائش کی تھی کہ یہ مقالہ نام کی تصریح کے بغیر گمنام شائع کیا جائے ـــــ لیکن اول تو الفرقان کے ناظرین مولانا سے اور ان کے طرزِ تحریر سے اتنے واقف اور مانوس ہیں کہ نام ظاہر نہ کرنے کی صورت میں بھی میرے خیال میں اُن میں سے اکثر سمجھ لیتے کہ کون صاحب اس مضمون میں بول رہے ہیں ـــــ علاوہ ازیں

جس تواضع اور انکسار اور اپنے نفس کے ساتھ جس بدگمانی کے ماتحت مولانا نے مجھ سے یہ فرمائش کی تھی، بلاشبہ وہ مولانا کے حق میں تو فضیلت اور کمال ضرور ہیں لیکن دوسروں کا فائدہ تو عقیدت اور حسنِ ظن ہی میں ہے ــــــ بہرحال مولانا کی اس فرمائش پر پورے ہمدردانہ غور کے باوجود میں اس بارے میں اُنکی رائے سے متفق نہ ہوسکا، اُمید ہے کہ وہ مجھے معاف فرمائینگے۔

مولانا کے اس مقالہ کے متعلق ناظرین سے خاص طور سے گذارش ہے کہ وہ اسکو بار بار پڑھیں انشاء اللہ ہر دفعہ قندِ مکرر کا لطف پائیں گے ــــــ خاصکر حج کو جانے والے حضرات سے گذارش ہے اور ان کو نہایت مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ پورے سفر میں برابر اس کو مطالعہ میں رکھیں، انشاء اللہ غیر معمولی نفع اور بڑی لذتیں محسوس فرمائیں گے۔

مولانا علی کے مقالہ کے بعد "آداب حج و زیارت" کے عنوان سے جو مضمون ہے ــــــ (جو در حقیقت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کے رسالہ "فضائل حج" کی دو فصلوں کا اختصار اور خلاصہ ہے) ــــــ وہ بھی حج کو جانے والوں کے لئے نہایت اہم ہے۔ حجاج اگر اس کو برابر مطالعہ میں رکھیں اور ہر موقع پر اس سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں تو انشاء اللہ بڑی دولتیں حاصل کرسکیں گے۔

اس نمبر کا تیسرا اہم اور مبسوط مقالہ ہمارے محترم مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کا ہے۔ موصوف ایک خاص طرزِ نگارش کے مالک ہیں جو عجلت پسندوں اور مضمون کے مقصد و مدعا کو جلدی معلوم کرنے کی خواہش رکھنے والوں کے لئے بسا اوقات بڑا صبر آزما ہوتا ہے لیکن جن میں یہ بے صبری نہ ہو اور مولانا کے خاص طرز سے واقف اور کچھ مانوس ہو جائیں تو پھر مولانا کے اس طرز میں وہ بڑی لذت اور بڑا کیف پاتے ہیں۔ مولانا کا یہ مقالہ بھی اس خصوصیت کا حامل ہے۔ ناظرین ابتدائی چند صفحے اگر صبر و اطمینان سے پڑھ لیں گے تو بیت اللہ اور حج بیت اللہ کے متعلق مولانا نے جن اسرار کو اپنے مضمون میں کھولنا چاہا ہے اُن سے وہ آشنا اور لذت اندوز ہوسکیں گے۔

بہرحال اس نمبر میں یہ تین مقالے اہم بھی ہیں اور اتنے اتنے بڑے بھی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک میں کئی کئی مقالے بن سکتے ہیں۔

مقالات کے علاوہ اس نمبر میں چند نظمیں بھی ہیں صفحہ ۱۴۳ و ۱۴۴ کی ایک نظم کے علاوہ یہ سب نظمیں ہمارے مخدوم و محترم حضرت صوفی سید عبدالرب صاحب مدظلہٗ (ایم۔ اے) اور محب مکرم زائرِ حرم حضرت حمید صدیقی کی ہیں۔ جن کو ان دونوں حضرات سے کچھ تعلق و واقفیت حاصل ہے وہ جانتے ہوں گے کہ ان حضرات نے اپنی نظموں میں جو کچھ کہا ہے وہ نری "شاعری" نہیں ہے بلکہ یہ ان کی واردات اور قلبی کیفیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں برکت اور ترقی عطا فرمائے اور ان کی نظموں کی برکت سے پڑھنے والوں میں بھی یہی سوز و گداز پیدا فرمادے ——— کہ یہی سب کچھ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

(صفحہ ۱۴۲ کا بقیہ) آمادہ کریں ——— جس کی زیادہ مفید اور مؤثر صورت یہ ہے کہ اپنی بستی اور اپنے شہر یا علاقے کے جن لوگوں کے متعلق یہ معلوم ہو سکے کہ وہ اس سال حج کا ارادہ رکھتے ہیں اُنکے اجتماعات کئے جائیں اور اُن کے سامنے ان مشوروں کو عملی تجاویز کے طور پر پیش کیا جائے اور اسی صحبت میں ان سب میں ایک جماعتی نظم قائم کرکے یہ بھی طے کر دیا جائے کہ جماعت میں دینی تعلیم کی خدمت فلاں صاحب کے ذمہ رہے گی ——— یہ بھی ضروری ہے کہ یہ کام ان لوگوں کی روانگیِ حج سے کافی پہلے کیا جائے، اور روانگی کے قریب اس کو پھر تازہ کر دیا جائے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ روانگی کے وقت ان لوگوں کو اتنا ہوش نہیں رہتا کہ کسی بات پر اطمینان اور سنجیدگی کیساتھ غور کر سکیں اور اسکی کوئی فکر کر سکیں۔

اس کام کا اجر

اللہ کے جو بندے اس مقصد کیلئے کچھ محنت اور کوشش کرینگے اگر انکی کوشش کے نتیجہ میں دو چار بندگانِ خدا کو بھی ان مشوروں پر عمل کرنے کی توفیق ہو گئی اور سفرِ حج میں اُنکی کچھ دینی اصلاح ہو گئی اور حج کی خاص برکتوں کا کوئی ذرہ ان کو نصیب ہو گیا تو اس کا جو اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کوشش کرنے والوں کو انشاء اللہ ملے گا اس پر بڑے بڑے عابد زاہد رشک کرینگے۔ حج کو جانا تو کسی کسی ہی کو اور عمر میں ایک دو دفعہ ہی نصیب ہو سکتا ہے لیکن عازمینِ حج میں یہ تبلیغی کوشش کرکے ہر غریب سے غریب بھی ہر سال ایک نہیں بہت سے بندوں کے حج کے ثواب میں شریک ہو سکتا ہے ——— کاش! رسول اللہ صلعم کی فرمائی ہوئی ان حقیقتوں پر پورا یقین ہم کو نصیب ہو جاتا۔

مکہ و مدینہ اور حج و زیارت

اینجا بیا کہ مہبط انوار ایزدی است
اینجا بیا کہ مشرق نورِ محمدی است

سب جانتے ہیں کہ مکۂ معظمہ ہی دنیا کا وہ مقدس اور محترم شہر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی خاص تجلّی گاہ کعبۂ مکرمہ واقع ہے، جس کو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل (علیہما السّلام) نے اللہ کے امر و حکم سے کبھی اپنے پاک ہاتھوں سے بنایا تھا، اسی میں حجرِ اسود ہے، اسی میں مقامِ ابراہیمؑ ہے، اسی میں زمزم کا وہ چشمہ ہے جو حضرت اسمٰعیل و حضرت ہاجرہؓ کے لئے معجزانہ طور پر جاری کیا گیا تھا، اور وہی ربّ العزت کی وہ تجلّی گاہ اور انوارِ الٰہی کا وہ مرکز ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے گھر (بَیْتِیَ) ہونے کا شرف بخشا اور قیامت تک کے لئے مشرق و مغرب، اور جنوب و شمال میں رہنے بسنے والے اپنے سب پرستاروں کا اس کو قبلہ بنایا۔ (اَیْنَمَا کُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ)۔

پھر یہی وہ شہر ہے جس میں ہمارے ہادی و آقا سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، اسی میں پلے بڑھے جوان ہوئے، اسی میں آپ کو نبوت عطا ہوئی، اسی میں قرآن کی بہت سی سورتیں نازل ہوئیں، اسی میں آپؐ نے دین کی دعوت کا کام شروع کیا، اور دس بارہ سال مسلسل اسی کی گلیوں اور بازاروں میں آپؐ دین کی دعوت دیتے رہے، اور "اَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا" کی پیغمبرانہ صدا سے اس کی فضا گونجتی رہی، پھر اسی میں آپؐ کو معراج ہوئی، بہر حال دعوتِ اسلام کے ابتدائی دس بارہ سال اسی شہر میں گذرے اور اسی بلد اللہ الحرام میں دین کی بنیاد قائم ہوئی۔

(زادہ اللہ تشریفاً و تعظیماً)

اسی طرح سب جانتے ہیں کہ مدینۂ طیبہ ہی وہ پاک اور پیارا شہر ہے جس کی طرف اللہ کے آخری رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے رب کے حکم سے ہجرت فرمائی اور یہیں پہونچ کر آپ کو اور آپ کے مخلص دینی رفیقوں (مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم) کو دین اور دعوت کی آزادی نصیب ہوئی۔ پھر اسی شہر کو آپ نے اور آپ کے ان رفقاء نے اپنا مستقل وطن بنایا اور حیاتِ طیبہ کے آخری دس سال (جہاد اور حج کے سلسلہ کے سفروں کے علاوہ) اسی پیارے شہر میں گذارے، اور قرآن مجید کا زیادہ تر حصّہ اور اسلام کے تفصیلی احکام یہیں نازل ہوئے، اور دعوت و جہاد اور تعلیم و تربیت کا جو کام اس عرصہ میں ہوا وہ اسی پاک شہر سے ہوا ــــــ نیز اسی میں حضور نے اپنی خاص مسجد بنائی جو اس دنیا میں سب سے آخری وہ مسجد ہے جو اللہ کے کسی پیغمبر نے اللہ کے حکم سے بنائی ہے، اسی لئے اس کا ایک نام "خاتم مساجد الانبیاء" بھی ہے۔ اسی مسجد میں حضور نمازیں پڑھتے تھے، خطبے دیتے تھے اور اسی میں بیٹھ کر دین کے دوسرے مہمات انجام دیئے جاتے تھے، اسی مسجد سے تبلیغی وفود روانہ ہوتے تھے، اور اللہ کا نام بلند کرنا اور دنیا کو گمراہیوں کی اندھیری سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لانے کے لئے مجاہدینِ حق کے لشکر بھی اسی مسجد سے روانہ ہوتے تھے۔ الغرض حیاتِ نبوی کے آخری دس سالوں میں اعلاءِ کلمۃ اللہ، مخلوق کی ہدایت اور تعلیم و تربیت کا جو کام ہوا، وہ اسی مقدس شہر میں اور اسی مسجد کے صحن سے ہوا۔ پھر یہیں آپ کا وصال ہوا اور اسی کے ایک گوشہ میں آج بھی آپ آرام فرما ہیں۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم وشرف وکرم

جب مکہ معظمہ اور مدینۂ طیبہ کو اللہ کے تعلق اور رسول کے تعلق کی یہ خصوصیتیں اور عظمتیں حاصل ہیں ــــــ جو دنیا کے کسی دوسرے شہر کو حاصل نہیں ــــــ تو بالکل قدرتی بات ہے کہ اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والوں کی نظر میں یہی دو مقدس شہر دنیا کے سارے شہروں اور ملکوں سے زیادہ معظم و محترم اور زیادہ محبوب ہوں گے۔ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا اس کو دنیا کے بڑے سے بڑے ترقی یافتہ اور پُر رونق شہروں سے زیادہ دلچسپی اور اپنے وطن سے بھی زیادہ پیار اور محبت مکہ اور مدینہ سے ہونا لازمی ہے ــــــ محبت کی نگاہ میں وہی شہر سب سے زیادہ پیارا، بارونق اور آ[illegible]

ہوتا ہے جس کو محبوب سے نسبت ہو، خصوصاً جہاں اس کا وصال میسر ہوا ہو یا وصال کی امید ہو۔ ؎

گفت معشوقے بعاشق کے فتا — تو بغربت دیدہ بس شہرہا
پس کدامے شہر ازانہا خوشتر است — گفت آں شہرے کانجا دلبر است

پس اگر بالفرض حج کو اسلام کا رکن قرار نہ بھی دیا گیا ہوتا اور نہ حج و زیارت پر کسی ثواب کا وعدہ کیا گیا ہوتا تب بھی آئینِ محبت کا تقاضا تھا کہ اللہ و رسولؐ سے تعلق و محبت رکھنے والے وہاں جائیں اور سر کے بل جائیں۔ ؎

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ اربابِ نظر خواہد بود

عشاق کا مذہب تو یہ ہے کہ محبوب اثناء راہ میں کسی منزل پر تھوڑی دیر کے لئے اگر ٹھہرا بھی ہو تو وہاں کی خاک بھی اس کی مستحق ہے کہ اُس کو سر پر رکھا جائے۔ ؎

در منزلے کہ جاناں روزے رسیدہ باشد
با خاک آستانش داریم مرحبائے

بہرحال اگر حج و زیارت پر کچھ بھی اجر و ثواب ملنے والا نہ ہوتا تب بھی اللہ کے وہ بندے جن کو محبت کا کوئی ذرّہ بخشا گیا ہے صرف محبّت کی کشش سے وہاں جاتے اور اُن کو ضرور جانا چاہئے تھا ——— لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے حج و زیارت پر (جس کے لئے خود ہمارے اندر خواہش اور طلب و تڑپ کے اسباب موجود ہیں) اتنے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حج و زیارت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت و رحمت کی اور اپنی طرف سے شفاعت کی ایسی بشارتیں سنائی ہیں جن کی طمع میں اللہ کے بندے جانِ عزیز بھی کھو دیں تو سوداگراں نہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:۔

"من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ"

جس شخص نے خالص اللہ کے لئے (یعنی صرف اُسکے حکم کی تعمیل اور اسکی رضا طلبی کی نیت سے) حج کیا، اور اُس حج میں نہ رفث اُس سے سرزد ہوا نہ فسق (یعنی کوئی فحش بات نہیں کی اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی) تو وہ شخص گناہوں سے ایسا پاک ہو کر واپس ہوگا جیسا کہ اپنی پیدائش کے دن وہ بالکل بے گناہ تھا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

اور حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) ہی سے صحیح بخاری اور مسلم ہی میں یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:-

الحج المبرور لیس لہ جزاءٌ الّا الجنۃ

خالص حج (جس میں حج کی شان کے خلاف کوئی حرکت نہ ہوئی ہو) اُسکی جزا بس جنت ہی ہے۔

اور حضرت عمرو بن العاصؓ راوی ہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں فرمایا:-

انّ الحج یھدم ما کان قبلہ (مسلم)

حج پہلے سارے گناہوں کو ڈھا دیتا ہے یعنی ان کا صفایا کر دیتا ہے۔

ان حدیثوں میں صاف صریح وعدہ ہے کہ حج اگر اخلاص کے ساتھ اور صحیح طریقہ پر ادا ہو اور کوئی نافرمانی اور بے عنوانی اُس میں سرزد نہ ہو تو حاجی کے سارے گناہوں کی بخشش کا وہ ذریعہ بن جاتا ہے اور اس کو جنت کا مستحق بنا دیتا ہے۔

اور زیارت کے متعلق مثلاً دار قطنی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:-

من زار قبری وجبت لہ شفاعتی

جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگئی

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ

من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔

جو شخص حج کو گیا اور میری قبر کی اُس نے زیارت کی تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اُس نے زندگی میں میری زیارت کی۔

غور کیجئے ایک مومن کی اس سے بڑی چاہت اور سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں، جنّت کو اس کا مسکن بنا دیا جائے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے شفیع ہوں اور روضۂ اقدس پر اس کی حاضری حضورؐ کی نگاہِ کرم میں زندگی کی ملاقات کے برابر ہو۔

"بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست"

لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا یہ جنّت اور مغفرت (بلاشبہ جن کے ہم ہر چیز سے زیادہ محتاج ہیں) یہ تو بالکل انعام ہی انعام ہے اور علیٰ ہذا شفاعت کا وعدہ حضورؐ کا کرم ہی کرم ہے، ورنہ ان مقدس دیار کی حاضری اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوبوں کی مقدس یادگاروں کی زیارت سے آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا اور دل کی لگی آگ کو بجھانا خود ہماری اپنی خواہش اور طلب ہے۔ آخر مسلمان کہلانے والوں میں کون ایسا بدنصیب ہوگا جس کے سینہ میں اس کی تڑپ موجود نہ ہو۔ ؎

امرّ علے الدیار دیار لیلے　　اقبّل ذا الجدار و ذا الجدار

وما حب الدیار شغفن قلبی　　ولکن حب من سکن الدیار

اللہ تعالیٰ جن بندوں کو یہ سعادت نصیب فرمائے اُن کو سب سے اہم مشورہ یہی ہے کہ وہ مکۂ معظمہ و بیت اللہ اور مدینۂ طیبہ و روضۂ اقدس کی ان خصوصیتوں اور عظمتوں کا دھیان اور فکر کر کر کے شوق و ذوق کی کیفیات اور عشق و محبّت کا سوز و گداز اپنے اندر پیدا کریں ــــ لیکن خبردار دونوں درباروں کے لئے ادب کی جو حدود مقرر کر دی گئی ہیں اُن سے بھی سرِ مو تجاوز نہ ہو کہ یہاں عشق کو ادب سے بے نیاز ہونے کی اجازت نہیں۔ ؎

یار کا پاسِ ادب او دلِ ناشاد لئے ہے　　نالہ تھمتا ہوا رکتی ہوئی فریاد لئے ہے

؎ میں لیلیٰ کی بستی پر گذرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اُس دیوار کو، اور در اصل بستی اور اسکے در و دیوار کی محبّت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا ہے بلکہ اس بستی میں جو میرا محبوب رہتا ہے بس اُسی کی محبّت مجھ سے یہ سب کچھ کراتی ہے۔ ۱۲

ایک ناتجربہ کار اور نااہل جو خود اس سعادت سے ابتک محروم بھی ہے اتنا ہی اجمالی مشورہ دے سکتا ہے، تفصیلی رہنمائی اور مفصل مشورے اُن ہی کو زیبا ہیں جو اس کے اہل ہیں اور جو اس سعادت سے بہرہ اندوز کئے جا چکے ہیں۔ چنانچہ اگلے صفحات سے ناظرین کرام کو وہ سب مشورے مل جائیں گے جن کی اس راہ کے رہرو کو ضرورت ہو سکتی ہے ——— اگلے مقالات کو توجہ اور ذوق شوق سے پڑھئے اور انشاء اللہ اُن میں عشق و ادب کی ساری تفصیلات آپ پالیں گے۔

عازمینِ حج سے ایک التجا!

حج کو جانے والے اللہ کے جن خوش نصیب بندوں تک "الفرقان" کا یہ حج نمبر پہنچے اُن سے اس نامۂ سیاہ کی التجا اور استدعا ہے کہ دونوں درباروں میں دعاؤں کے خاص اوقات میں اگر کبھی وہ اس بندہ کو بھی یاد رکھ سکیں تو ضرور یہ کرم فرمائیں، اور روضۂ اقدس پر حاضری کے وقت جب وہ اپنے دوستوں کا سلام پہنچائیں تو سب سے آخر میں حضورؐ کے اس سیاہ کار اور تباہ حال غلام امتی کا بھی سلام عرض کر دیں، بڑا کرم اور بڑا احسان ہو گا، اور اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو اس کا اجر دے گا۔

آپ کا مخلص

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

اپنے گھر سے بیت اللہ تک

(از جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

اللہ اللہ کرکے روانگی کی تاریخ آئی۔ ع

"دن گنے جاتے تھے جس دن کیلئے"

جس دن کی آرزو لیکر لاکھوں اللہ کے نیک اور مقبول بندے دنیا سے چلے گئے، ہزاروں اولیاء اللہ عمر بھر اسی حسرت و اشتیاق میں رہے، وہ ایک ظلوم و جہول بندہ کو نصیب ہو رہا ہے۔ ع

"برایں مژدہ گر جاں فشانم رواست"

بہت چاہا کہ سوائے چند مخصوص دوستوں کے کسی کو خبر نہ ہو، ایسے موقع پر ریا و عجب (خود پسندی) سے حفاظت اور اخلاص کامل بڑا اونچا مقام اور اللہ کے مخلص بندوں کا کام ہے، اگر سفر کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی، اور اخلاص میں فرق آیا تو بڑا خطرہ ہے۔ سے

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج

تا ثریا می رود دیوار کج

لیکن ایک سے دوسرے کو دوسرے سے تیسرے کو خبر ہو ہی گئی، اے اللہ دل کا نگہبان تو ہی ہے اپنی ناکارگی، گناہوں اور شامت نفس کا پورا استحضار اور تیرے بے استحقاق احسان کا مراقبہ رہے، ایک لمحہ کیلئے بھی اپنی اہلیت و مقبولیت کا وسوسہ اور ریا کا ادنیٰ شائبہ بھی آنے نہ پائے۔

اللّٰھم انّ قلوبنا ونواصینا وجوارحنا
بیدك لم تملکنا منها شیئاً فاذا فعلت
ذلك بنا فکن انت ولینا و
اھدنا الی سواء السّبیل۔

اے اللہ ہمارے دل، ہماری پیشانی کے بال، ہمارے
اعضاء و جوارح سب تیرے ہاتھ میں ہیں، تو نے
اس میں سے کوئی چیز بھی ہمارے اختیار میں نہیں دی
جب واقعہ یہ ہے تو پھر تو ہی ہمارا کارساز رہ اور ہم
کو سیدھے راستہ پر لگا

تجربہ کاروں کا کہنا ہے کہ سفر میں سامان کم سے کم اور بس ضروری ضروری چیزیں لیجئے، زیادہ سامان کی وجہ سے بہت سی نعمتوں سے محروم ہونا پڑتا ہے، آزادی نہیں رہتی اور بعض اوقات غلط کام کرنے پڑتے ہیں، جن کا ہمیشہ افسوس رہتا ہے۔

لیجئے دیکھتے دیکھتے چلنے کا وقت آگیا، مگر وہ وقت نہیں ہے، ہر سفر کا آغاز دو رکعت نفل اور دعا سفر سے مسنون ہے، نہ کہ اتنا طویل، مبارک اور نازک سفر جس میں ہر آن خطرہ پونجی کے ڈوب جانے اور قلب و نیت کے قزاقوں کی رہزنی کا ہے، ساری عمر کا خشوع اگر اس ایک نماز میں اور زندگی بھر کا تضرع اگر آج کی دعا میں آجائے تو بڑی بات نہیں جسم و جان، قلب و ایمان، بر و بحر کے خطرے اس ایک سفر میں جمع ہیں، ہار جیت کا سفر ہے، ہار بھی ایسی کہ اس کے برابر کوئی ہار نہیں، اللہ کے گھر جائے اور اپنی شامت اعمال سے خالی ہاتھ آئے بلکہ گناہوں کی گٹھری اور الٹی پیٹھ پر لاد کر لائے۔

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے
کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے

اور جیت بھی ایسی کہ کوئی فتح اور کامرانی اس کے برابر نہیں، گناہوں سے پاک صاف دھویا دھلایا جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا

من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ۔ (بخاری و مسلم)	جس شخص نے محض اللہ کی خوشنودی کیلئے حج کیا اور بے حجابی اور گناہ سے محفوظ رہا تو وہ پاک ہو کر ایسا لوٹتا ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے روز تھا۔

وہ سفر جس کا انعام جنت ہے

الحج المبرور لیس لہ الجزاء الا الجنۃ (بخاری مسلم)	حج مقبول کی جزا جنت ہی ہے۔

اس سفر کے لئے جو کچھ بھی مانگا جائے اور جس طرح دل کھول کر مانگا جائے کم ہے، مگر نا تجربہ کار عقل، پریشان دماغ، مضطرب دل، تھکا ہوا جسم، وقت تھوڑا کہنا بہت، کہیں ایسا نہ ہو کہ غیر ضروری باتیں زبان پر آجائیں اور ضروری باتیں رہ جائیں، لیکن قربان رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہ جیسے ہر دینی و دنیاوی ضرورت کے لئے جچی تلی دعائیں اور ہر شعبۂ زندگی کے لئے منتخب دعائیہ الفاظ

امت کو عطا کر گئے سفر کی بھی ایسی مکمل دعا تعلیم کر گئے جس میں نہ کسی اضافہ کی ضرورت ہے نہ کسی ترمیم کی۔ اور صدہا احسانات کے ساتھ اس احسان کا بھی استحضار کر کے محبت و عظمت کے ساتھ درود پڑھ کر یہ مسنون و ماثور الفاظ کہے:۔

اللھم انا نسالك فی سفرنا ھذا	اے اللہ ہم تجھ سے اس سفر میں نیکی اور احتیاط کے
البر والتقوی ومن العمل ما ترضی	طالب ہیں اور ایسے اعمال کے جو تجھے پسند ہوں اے اللہ ہمارے سفر
اللھم ھون علینا سفرنا ھذا	کو ہمارے لئے آسان اور ہلکا بنا دے اور اسکی
واطو عنا بعدہ اللھم انت	مسافت کو لپیٹ دے، اے اللہ تو سفر میں بھی ہمارے
الصاحب فی السفر والخلیفۃ	ساتھ ساتھ ہے اور گھر میں بھی ہمارے پیچھے نگراں
فی الاھل اللھم انی اعوذ بك	اور خیال رکھنے والا ہے، اے اللہ میں تجھ سے
من وعثاء السفر وکآبۃ المنظر	سفر کی کلفت اور ایسی چیز سے پناہ چاہتا ہوں جسکے
وسوء المنقلب فی المال والاھل	دیکھنے سے کوفت ہو اور مال و اہل و عیال کی طرف
والولد۔ (مسلم)	بری واپسی سے۔

گھر سے رخصت ہوئے سب کو اللہ کے حوالہ کیا، اور اللہ کے حفظ و امان میں دیا، رخصت کرنے والوں نے بھی مسنون الفاظ میں اللہ کے گھر کے مسافر کو اللہ کی ودیعت و حفاظت میں دیا، اور کہا:۔

استودع اللہ دینك وامانتك	میں اللہ کی امانت میں دیتا ہوں تمھارا دین
وخواتیم اعمالك۔	اور تمھاری امانت اور تمھارے اعمال کا انجام۔

اس وقت گھر سے نکلے سفر شروع ہو گیا اور زبان پر یہ مسنون الفاظ آ گئے جو بالکل مناسب حال ہیں،

اللھم بك انتشرت والیك	اے اللہ میں تیرے سہارے چل کھڑا ہوا ہوں اور
توجھت وبك اعتصمت و	تیری طرف رُخ کر دیا ہے اور تجھے مضبوط پکڑ لیا ہے
علیك توکلت انت ثقتی و	اور تجھ پر بھروسہ کیا ہے۔ تو ہی میرا سہارا ہے
انت رجائی اکفنی ما ھمنی	تو ہی میرا آسرا ہے جس کی مجھے فکر ہے اور جسکی مجھے
وما لا اھتم بہ وما انت	فکر نہیں اور جس کو تو زیادہ جانتا ہے سب کا تو خود ہی
اعلم بہ منی عز جارك	انتظام فرما دے، تیرے جوار میں آنیوالا غالب و محفوظ ہے

وجل ثنائك ولا الٰه غيرك زودني التقوىٰ واغفرلي ذنوبي ووجهني للخير اينما توجهت۔	تیری مدح و توصیف بلند ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تقویٰ کو میرا زادِ راہ بنا، میرے گناہوں کو معاف فرما، اور جس طرف رُخ کروں خیر ہی کی طرف میرا رُخ کر۔

گاڑی آگئی، مسافروں کو ایذا دیئے بغیر سوار ہوئے، سامان کو قرینہ سے رکھا، بقدرِ ضرورت جگہ گھیری، وضو اور نماز کا انتظام کر لیا، سفر کے اس ہنگامہ اور شور و غل میں بھی اپنے سفر کی عظمت اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف توجہ، اپنی بے بسی کا احساس قائم ہے، لوگوں سے محبت کے ساتھ رخصت ہوئے اور سفر کی کامیابی اور مقبولیت کے لئے خود ان سے دعا کی درخواست کی، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اللہ کے ان سادہ دل بندوں میں کتنے مقبول بارگاہ ہوں گے، اور کتنوں کے جسم یہاں اور دل وہاں ہوں گے، اور کتنے بہت سے حجاج سے افضل ہوں گے۔

گاڑی روانہ ہوئی اپنے ہم سفروں سے تعارف حاصل ہوا، اُن کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ سفر کی سنّت اور حکم ہو کہ ساتھیوں میں سے ایک کو سفر کا امیر بنا لیا جائے، سب نے اتفاق کیا اور ایک صاحب علم اور منتظم رفیق کو امیر بنایا، انھوں نے سب کی خدمت و راحت کا عزم کیا، حج کے رفیقوں کو مخاطب کرکے اس سفر کی عظمت اور اس کے آداب و حقوق مختصر طریقے پر بیان کئے نماز کا وقت آیا، ساتھیوں کو نماز کی طرف متوجہ کیا اور اعلان کیا کہ انشاء اللہ نماز جماعت کیساتھ ہوگی، گاڑی جنکشن پر پہونچنے والی ہے، گاڑی ٹھہری، اپنی جگہ کے محفوظ رہنے کا انتظام کیا، سب نے وضو کیا، پلیٹ فارم پر اذان ہوئی، امام نے وقت کا خیال کرتے ہوئے مختصر نماز پڑھائی، لوگ اپنی اپنی جگہ آگئے، موقع ہوا تو سنتیں اور نوافل کھڑے بیٹھے پڑھ لئے، اگلی نماز کے وقت اتر کر پڑھنے کی مہلت نہ تھی، گاڑی کے اندر ہی جماعت کا اہتمام ہوا، مسافروں سے کہہ سُنکر جگہ کی، اور فرض کھڑے ہو کر ادا کئے، بعض نمازوں میں سب نے ایک ہی جماعت سے نماز پڑھی، بعض اوقات دو دو تین تین نے مل کر ایک ایک جماعت کر لی، رات کو سونے میں، اُترنے اور چڑھنے میں کسی چیز میں بھی کشمکش کی نوبت نہیں پیش آئی لاجدال فی الحج (حج میں لڑائی جھگڑا نہیں) کی مشق یہیں سے شروع ہو گئی، الحمد للہ رفیقوں کو اعتماد اور مسافروں کو انس ہو گیا اس سے خود کو بھی

راحت ملی اور دوسروں کو بھی عافیت ہوئی، اور زیادہ خرچ کرنے سے بھی جو آرام نہ ملتا وہ ایثار و خدمت سے ملا، کم خرچ و بالانشیں اسی کو کہتے ہیں۔

راستہ میں دین ہی کا تذکرہ اور دین ہی کا مشغلہ رہا، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی "فضائلِ حج"، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کی "زیارۃ الحرمین"، مفتی صاحب مظاہر العلوم کی "معلم الحجاج"، مولانا عبد الماجد دریابادی کا "سفرِ حجاز"، شیخ عبد الحق دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کی "جذب القلوب الی دیار المحبوب" ساتھ ہے۔ راستہ میں خواہ مخواہ کی وقت گزاری اور لایعنی گفتگو کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مولوی احتشام الحسن کاندھلوی کی "رفیقِ حج" کے متعدد نسخے ساتھ ہیں، ساتھیوں کو دیدیئے کہ ایک دوسرے کو پڑھ کر سنائیں۔

بات کرتے کرتے آخری اسٹیشن آگیا، مسافر اترے، سامان اترا، سب کو اتار کر اور سب کچھ دیکھ بھال کر امیر صاحب اترے، قافلہ مسافر خانے پہونچا، سب اپنی اپنی جگہ مقیم ہوئے، مستورات کے پردہ کا پورا انتظام کیا، ابھی جہاز کی روانگی میں ایک ہفتہ باقی ہے، اکثر ضروریاتِ سفر ہمراہ ہیں، پاسپورٹ بن چکا ہے، اگر نہیں بنا تو آسانی سے بن جائے گا، ٹکٹ کا مرحلہ بھی مشکل نہیں، سب کی صلاح ہوئی کہ یہ ہفتہ اپنی تیاری اور حجاج کی خدمت گذاری میں صرف ہو، سنا ہے کہ جس نوع کی خدمت مسلمانوں کی کی جائے اُسی نوع کی مدد اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، جو مسلمان کو روٹی کھلائیگا اللہ اس کی روٹی کا انتظام فرمائے گا، جس کو مسلمانوں کی نماز کی فکر ہوگی اللہ اس کی نماز کی حفاظت اور اس کی ترقی کا انتظام فرمائے گا، اس لئے اگر حجاج کے حج کی صحت اور اس کی روح کی فکر کی جائے گی تو ہمیں بھی اپنے حج کی مقبولیت اور اس کی روحانیت کی اُمید کرنی چاہیئے، اللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ (جبتک ایک شخص اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں رہتا ہے) قرار یہ پایا کہ حجاج کا دائرہ بہت وسیع ہے کسی ایک کے بس کی بات نہیں، اس لئے جماعتیں بنائی جائیں اور اجتماعی طور پر نظم و انتظام سے کام شروع کیا جائے، خوش قسمتی سے تبلیغی جماعت کے افراد موجود ہیں جو حجاج کی دینی ضروریات کی تکمیل اور حج کے مسائل و فضائل لوگوں تک پہونچانے کی سعی کرتے ہیں، ان کی جماعت کو تلاش کرکے ان میں شرکت کی جو معلومات کتابوں کے مطالعہ سے مشکل سے حاصل ہوتے وہ ان کے ذریعہ ان کے تجربوں سے آسانی سے

حاصل ہو گئے۔ مسافر خانہ اور حاجی کیمپ میں حجاج کی حالت دیکھ کر سخت قلق ہوتا ہے، حج کا سا عظیم الشان اور مقدس سفر جو سراسر عشق و محبت کی تکمیل اور ایمان و تقویٰ کی تصویر ہو اور حالت یہ کہ فرض نمازوں تک کا اہتمام نہیں، بیچ مسافر خانہ میں مسجد بنی ہوئی ہے جہاں پانچ وقت باآواز بلند اذانیں ہوتی ہیں، وضو و غسل کا اہتمام ہے مگر ذرا ذرا سی حقیقی و خیالی ضرورتوں کی وجہ سے بے تکلف جماعت چھوڑی جاتی ہے، اس سے زیادہ تکلیف دہ منظر یہ ہے کہ بغیر کسی مشغولیت کے بھی بیسوں آدمی نمازیں قضا کرتے ہیں۔ وقت مقرر ہوا، جماعتیں بنیں، حجاج کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا، سامان کی تیاری میں سخت انہماک ہے مگر اصل تیاری سے پوری غفلت، ضرورت کی کوئی چیز (جسکی ممکن ہے پورے سفر میں ضرورت نہ ہو) رہ نہ جائے، مگر دین کے مبادی اور ارکان کی طرف بھی توجہ نہیں۔ سب سے اہم مسئلہ زندگی کی سب سے بڑی ضرورت اور حج کی بنیاد، مگر خدا معاف کرے ہمارے دوستوں کو بات سننے کی بھی فرصت نہیں، بہر حال خوشامد درآمد سے متوجہ ہوئے، دیکھ کر عقل حیران ہو گئی کہ کئی صاحبوں کا کلمہ تک درست نہیں، اور مفہوم سے تو بہت کم آشنا، جماعتوں کی حاضری کی طرف توجہ دلائی، اور عرض کیا کہ مسافر خانہ کی مسجد میں فلاں وقت حج کے متعلق روزانہ کچھ عرض کیا جاتا رہے گا آپ ضرور تشریف لائیں یہ تیاری ہر تیاری پر مقدم ہے۔ ہمارے امیر صاحب نے اور دو ایک اور عالموں نے صبح اور عشاء کے بعد کچھ بیان کرنا بھی شروع کیا اور معلوم ہوا کہ حجاج میں احساس و توجہ کی ایک لہر پیدا ہوئی اور بہت سے لوگ گویا سوتے سوتے چونک پڑے۔ "الفرقان" میں کام کا جو نقشہ دیا گیا ہے اس کے مطابق تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا گیا، اور الحمد للہ بہت مفید و موثر ثابت ہوا۔

لیجئے جہاز کی روانگی کا دن آپہونچا، آج بڑے ہنگامہ کا دن ہے، میدانِ حشر کا ایک نمونہ ہے نفسی نفسی کا عالم ہے، ہر ایک کو اس کی فکر ہے کہ اس کو اچھی سے اچھی جگہ ملے اور سامان محفوظ رہے قانونی مراحل سب طے ہوئے سامان جہاز پر پہونچا اب سوائے اللہ پر بھروسہ کے کوئی چارہ نہیں، جہاز پر داخلہ شروع ہو گیا، اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے یہ دن دکھایا، خدا وہ دن بھی دکھائے کہ سرزمینِ مقدس پر اترنا ہو، سفرِ عشق میں سامانِ راحت کا کیا سوال، پھر بھی اللہ کے احسان کے صدقے کہ ہم ضعیفوں کو امتحان میں نہیں ڈالا اور راحت و عافیت کی جگہ عطا فرمائی، لیجئے وہ سیٹی ہوئی،

وہ لنگر اٹھا، وہ ہاتھ سلام کے لئے اُٹھے، وہ رومال وداع کے لئے ہلے، ان سب کو سب نے دیکھا، مگر بہتے ہوئے آنسوؤں کو کس نے دیکھا، اور گلوگیر آواز کو کس نے سنا۔ جانے والو! حج و زیارت تم کو مبارک، مومن کی معراج تم کو مبارک، ہم مجبوروں کو نہ بھولنا۔ ع

"ہمیں بھی یاد رکھنا ذکر جب دیرِ یار میں آئے"

جہاز روانہ ہوا، سامان قاعدے سے لگایا، نئی جگہ کا جائزہ لیا، اب بڑی فکر اس کی ہے کہ نمازوں کا انتظام کیا ہوگا، یہ بارہ چودہ دن جن سے زیادہ فرصت کے اوقات برسوں میں نصیب نہ ہوئے ہوں گے کس طرح گزرینگے، تیاری کی ایک مہلت اور عمر بھر کی غفلتوں کی تلافی کا ایک موقع ملا ہے، شامتِ اعمال سے یہ بھی کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ مشورہ کیا، چل پھر کر دیکھا معلوم ہوا کہ جہاز کی بالائی منزل پر نماز کے لئے ایک وسیع جگہ ہے، سمتِ قبلہ بتلانے کے لئے (جو جہاز پر ایک مشکل مسئلہ ہے) جہاز کی طرف سے انتظام ہے، چنانچہ لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کیا گیا کہ اذانیں انشاء اللہ وقت پر ہوں گی، حاجی صاحبان نماز کے لئے اذان کا انتظار کریں ورنہ اس کا خطرہ ہے کہ بے وقت نماز پڑھ لی جائے، بالائی منزل پر نماز جماعت سے ہوگی، قبلہ بتلانے کے لئے جہاز کی طرف سے انتظام ہوگا، بغیر تحقیق کے نماز نہ پڑھی جائے۔ الحمد للہ جماعت شروع ہو گئی، امام و مؤذن کا تعین ہو گیا۔

خیال ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر سے فائدہ اٹھایا جائے اور حجاج کو ان کی قیام گاہوں پر مفید اور ضروری باتیں پہونچائی جائیں، چنانچہ ایسے اوقات میں جو کھانے اور ناشتہ اور سونے سے فراغت کے ہیں تقاریر کا انتظام کیا گیا، یہ کوشش کی گئی کہ دین کا عام احساس اور حج کی عظمت اور اس کے لئے تیاری کا خصوصی خیال پیدا کرنے والی اور دینی جذبات اور احساسِ ذمہ داری کو بیدار کرنے والی تقریریں کی جائیں، چنانچہ یہ سلسلہ شروع ہوا اور ہر مسافر نے بیٹھے بیٹھے لیٹے لیٹے اپنی اپنی جگہ اس سے فائدہ اُٹھایا، مستورات بھی اس سے مستفید ہوئیں۔

جہاز کے دن کامل فراغت و فرصت کے ہیں، زندگی کی سب سے بڑی مصروفیت نقل و حرکت تھی، مکان، دُکان، کارخانہ، دفتر، سڑک، باغ، محلّہ، شہر، یہاں کچھ نہیں۔ نیچے نیلا سمندر، اوپر نیلا آسمان، ان دونوں کے درمیان لکڑی کے ایک تختہ پر انسانوں کی یہ بستی، کوئی کہیں آنا جانا چاہے بھی

تو کہاں جائے، گھوم پھر کر وہی ایک محلہ، وہی لکڑی اور لوہے کا چھوٹا سا تیرتا ہوا اگاؤں، نقل و حرکت کی جو کچھ عمر بھر کی عادت اور ہوس تھی چکر اور دردِ سر نے اس کو بھی پابند کر دیا، گویا سارے شوقین و بدشوق طالبِ علم امتحان سے پہلے مطالعہ کے ایک کمرے میں بند کر دیئے گئے، حیف ہے اگر اب بھی امتحان کی تیاری نہ کریں! خیال ہوا کہ جماعتوں کے گشت، انفرادی تبلیغ اور تعلیم و تلقین کا اس سے بہتر وقت اور مقام نہیں ہو سکتا، ناشتہ اور چائے کے بعد مسجد میں تعلیم کا اعلان ہوا، اور عصر کے بعد گشت کا نظام بنا، یہاں بھی وہی انکشاف جو پہلے ہوا تھا، دین کے مبادی و ارکان سے ناواقفیت، حج کے حقوق و آداب سے غفلت، آخر مسلمانوں کی یہ آبادی سمندر کے کسی جزیرہ سے تو نہیں آئی، اسی ہندوستان سے تو آئی ہے جہاں جہالت و غفلت عام ہے؟ حجاج مسلمانوں کی عام آبادی ہی کا جز ہیں، ان سے کسی چیز میں ممتاز اور عام حالات سے مستثنیٰ کس طرح ہو سکتے ہیں خصوصاً جبکہ ان کا بڑا حصہ علمی و دماغی حیثیت سے پسماندہ اور غیر تعلیم یافتہ طبقہ سے تعلق رکھتا ہے[۱]

حج کو جہاد کی ایک قسم کہا گیا ہے اور افضل قسم "افضل الجہاد حج مبرور"، حضرت عمرؓ نے فرمایا شدوا الرحال فی الحج فانہ احد الجہادین "حج میں اپنے کجاوے مضبوط کسو اس لئے کہ وہ بھی ایک جہاد ہے"۔ جہاز کا سفر اس سفرِ جہاد کا ایک مستقل شعبہ ہے۔ دردِ سر، چکر، امتلائی کیفیت اور اس میں نمازوں کی ادائی اچھا خاصا جہاد ہے، اس جہاد میں کامیابی بغیر دینی تربیت اور پختہ عزیمت کے ممکن نہیں، جو لوگ بغیر کسی عذر کے بھی نماز کے پابند نہیں اُن سے ایسی آزمائشوں کے ساتھ نماز و جماعت کا اہتمام بہت مشکل ہے، اس کے لئے بڑی ایمانی قوت کی ضرورت ہے اور اس ایمانی قوت کے پیدا کرنے کا ہمارے موجودہ نظامِ سفر میں کوئی اہتمام نہیں۔ الحمد للہ وعظ و تبلیغ سے کسی حد تک نفع ہوا، اور بہت سے لوگوں نے نمازوں کا اہتمام رکھا جو لوگ دردِ سر و امتلائی کیفیت میں مبتلا تھے اور نقل و حرکت سے معذور تھے وہ اپنی جگہ پڑے پڑے بھی

---

[۱] اگر خوش قسمتی سے تبلیغی جماعت موجود ہو تو فبہا اور اگر کسی جہاز پر نہ ہو تو مولانا محمد منظور صاحب نے حج کے سفر کے سلسلہ کام کا جو نقشہ شائع کیا ہے اُسی تشکیل کے مطابق جماعت بنالی جائے، اور کام شروع کر دیا جائے۔ ۱۲

اللہ کا ذکر زبان اور دل سے کرتے رہیے۔

حج کے دو مستقل شعبے ہیں، ایک ضوابط و قوانین کا جس میں مومن کی اطاعت و انقیاد کا امتحان اور مظاہرہ ہے، ایک محبت و عشق کا جس میں اس کی عاشقانہ کیفیت اور والہانہ محبت کا ظہور مطلوب ہے، اور سچ پوچھئے تو حج کی روح اور حضرت ابراہیمؑ کی میراث یہی عشق و محبت ہے، حج میں انھیں دبی ہوئی چنگاریوں کا ابھارنا اور اسی محبت کی تربیت و ترقی مقصود ہے۔ بعض طبیعتوں کے خمیر میں عشق و محبت داخل ہوتی ہے ان کو حج سے فطری مناسبت ہوتی ہے، اس کے سب مشکلات ان کے لئے آسان اور اس کے سب مناسک و ارکان ان کی روح کی غذا اور ان کے درد کی دوا ہوتے ہیں۔ اگر یہ محبت و عشق فطری نہیں اور طبیعت خشک اور قانونی محض واقع ہوئی ہے تو مناسب ہے کہ اکتسابی طریقہ سے کسی نہ کسی درجہ میں محبت کی حرارت پیدا کی جائے، اس لئے کہ اس کے بغیر بعض اوقات حج ایک قالب بے روح ہو کر رہ جاتا ہے۔ محبت میں اکتساب کو بھی اچھا خاصا دخل ہے اس کے دو آزمودہ طریقے ہیں، ایک محبوب کے جمال و کمال اور اس کے محاسن و کمالات کا مطالعہ و مراقبہ، دوسرا اہلِ محبت کی صحبت اور اگر وہ میسر نہ ہو تو ان کے عاشقانہ واقعات، حج سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے یہ دونوں راستے ممکن ہیں، پہلے کا ذریعہ تلاوت اور ذکر و تفکر ہے دوسرے کا ذریعہ عشاق و محبین اور شہیدانِ محبت کے پر اثر واقعات ہیں جن میں صدیاں گذر جانے کے بعد بھی تازگی اور گرمی باقی ہے، اور اب بھی وہ دلوں کی سرد انگیٹھیاں گرما دیتے اور بجھے ہوئے دلوں کو تڑپا دیتے ہیں۔ شیخ دہلوی کی "جذب القلوب" اور شیخ الحدیث سہارنپوری کی "فضائلِ حج" نیز حضرت جامی و خسرو کی عاشقانہ غزلیں اور نعتیہ کلام اس مقصد کے لئے بہت مفید ہے۔

اگر محبت کی یہ گرمی اور سوز فطری یا کسبی طور پر موجود ہے تو روز بروز منزل کی کشش بڑھے گی، جب اس سرزمینِ مقدس کی جلی ہوئی پہاڑیاں اور تپتی ہوئی ریت دور سے کہیں کہیں دکھائی دے گی جس میں کوئی مادی کشش اور کوئی ظاہری حسن نہیں، تو سو جان سے اس پر قربان ہو جانے کا جی چاہے گا اور اس کے ذرہ ذرہ میں دل آویزی اور محبوبیت معلوم ہو گی۔

لیجئے اعلان ہو رہا ہے کہ فلاں وقت ہمارا جہاز ہندوستانیوں کے میقات یلملم کے محاذات میں

پہونچے گا، حجاج احرام باندھنے کے لئے تیار رہیں۔ آج کئی دن سے تلبیہ کی مشق اور لبیک لبیک کی صدا گونج رہی ہے، دیکھتے دیکھتے وہ وقت آگیا، لوگ پہلے سے غسل کئے ہوئے نماز پڑھ کر احرام کی دو بے سلی چادریں ایک اوپر ایک نیچے باندھے تیار تھے، بعض کے سر پہلے سے کھلے اور بعض کے ڈھکے تھے کہ ایک دم سے سیٹی بجی، سر کھل گئے، اور ہر طرف سے صدا بلند ہوئی

لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے پہلے مدینۂ طیبہ کا عزم کیا ہے انھوں نے ابھی احرام نہیں باندھا، وہ مدینۂ طیبہ سے چل کر "ذوالحلیفہ" سے جس کو آج کل "بیر علی" کہتے ہیں احرام باندھیں گے جو اہل مدینہ کا میقات ہے اور جہاں سے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے احرام باندھا تھا۔

وقت گذرتے دیر نہیں لگتی، اب جدہ پہونچنے کی باتیں ہونے لگیں، تیر کی طرح ایک کشتی سی آئی، ارکانی عرب جہاز پر چڑھا اور حجاج یورپین کپتان کی ناخدائی سے نکل کر ایک باخدا جہاز ران کی رہنمائی میں آگئے، بات کرتے کرتے جہاز لنگر انداز ہوا، ملاحوں کا لشکر غریب حجاج پر ٹوٹ پڑا، حجاج بادبانی کشتیوں اور موٹر لانچ کے ذریعہ جدہ کے پلیٹ فارم پر یعنی عرب کی سرزمین پر پہونچ گئے۔ ۵

هذا الذی کانت الایام تنتظر

فلیوف للہ اقوام بما نذروا

دل سینہ سے نکلا جاتا ہے، کیا واقعی ہم عرب کی سرزمین پر ہیں، کیا ہم اب دیارِ محبوب میں ہیں، کیا ہم مکۂ معظمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہیں؟ ۔ ۶

انچہ ما بنیم بہ بیداریست یارب یا بخواب

سامان کا انتظام کیا اور اپنا پاسپورٹ دکھاتے اور معلم کا نام بتاتے پلیٹ فارم سے باہر آئے، اللہ اللہ در و دیوار سے عاشقیت ٹپکتی ہے۔ مکۂ معظمہ ابھی دُور ہے اور مدینۂ طیبہ اُس سے بھی دُور، جدہ کوئی مقدس مقام نہیں، نہ یہاں بیت اللہ نہ یہاں مسجد نبویؐ، نہ یہ حرم ابراہیمؑ نہ یہ حرم رسولؐ، لیکن محبت کا آئین نرالا ہے، اس کو کیا کیجئے کہ جدہ کی گلیوں سے بھی انس و محبت معلوم ہوتی ہے، غریب الدیار مسافر کو یہاں پہونچکر بوئے انس آئی، برسوں کی محبت نے

اپنی پیاس بجھائی۔ محبت فلسفہ اور قانون سے آزاد ہے، یہاں کے قلی اور مزدور، سیاہ فام سوڈانی، اور پیراہن دریدہ بدو بھی دل کو اچھے لگتے ہیں، یہاں کے دکانداروں، خوانچہ فروشوں کی صدائیں، معصوم بچیوں اور بچوں کی گیتیں جن میں وہ حجاج سے سوال کرتے ہیں، دل میں اتری چلی جاتی ہیں۔ محبت عقل کو تنقید کی فرصت ہی نہیں دیتی، اور اچھا ہے کہ کچھ دن اس کو فرصت نہ دے۔ ؎

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

قافلہ کو پہلے مدینہ طیبہ جانا ہے، دو تین دن حکومت کے مطالبات ادا کرنے میں اور موٹر کے انتظار میں گزرے، لیجئے انتظار کی گھڑیاں تمام ہوئیں، موٹر آگئی، موٹر پر سوار ہوئے، سامان بار کیا، اچھا ہے کہ ایک عربی داں سمجھدار ساتھی ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ جائے تاکہ نماز پڑھنے اور ضروریات کے لئے روکنے میں آسانی ہو، بہتر ہے کہ ڈرائیور کے ساتھ کچھ سلوک کر دیا جائے راستہ میں بڑی راحت ملے گی، موٹر روانہ ہوئی، راستہ میں درود شریف سے بہتر کیا وظیفہ اور مشغلہ ہے، نمازوں کے اوقات میں موٹر روکی گئی، اذان و جماعت کے ساتھ نماز ہوئی، منزلیں آئیں اور گزر گئیں، غربت کے مارے نیم برہنہ عرب بچے اور بچیاں جن کے جسم پر کپڑوں کے تار اور دھجیاں تھیں، موٹر کا دور تک تعاقب کرتیں اور آخر تھک کر رہ جاتیں، ان کی غربت کو دیکھ کر کلیجہ منھ کو آتا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں کتنے صحابۂ کرامؓ کی اولاد اور عراق و شام کے فاتحین کی نسل میں سے ہیں، ایمانی اور مادی حیثیت سے اگر کوئی شہزادہ کہلانے کا مستحق ہے تو ساری دنیا کے یہ شاہزادے اور دنیائے اسلام بلکہ عالمِ انسانیت کے محسنوں اور مخدوموں کی اولاد ہیں، بے حقیقت سکّوں کے ساتھ جو آپ اپنی حقیر خواہشات میں بے دریغ خرچ کرتے رہتے ہیں، اگر آنسو کے چند قطرے بھی آپ بہا دیں تو شائد گناہوں کا کچھ کفارہ ہو جائے۔

نظر اٹھا کر دیکھئے یہ دونوں طرف پہاڑوں کی قطاریں ہیں، کیا عجب ہے کہ ناقۂ نبوی اسی راستہ سے گذری ہو، یہ فضا کی دل کشی یہ ہوا کی دل آویزی اسی وجہ سے ہے۔ ؎

الا ان وادی الجزع اضحیٰ ترابہ من المسک کافوراً واعوادہ رندا

وما ذالك الا ان هند اعشية ۔ تمشت وجرت فی جوانبه بردا

لیجئے مسجد[1] آ گئی، اب بیر علی (ذوالحلیفہ) کی باری ہے۔ ؎

منزلِ دوست چوں شود نزدیک

آتشِ شوق تیز تر گردد!

درود شریف زبان پر جاری ہے، دل وفورِ شوق سے اُمنڈ رہا ہے، عرب ڈرائیور حیران ہے کہ یہ عجمی کیا پڑھتا ہے اور کیوں روتا ہے، کبھی عربی میں گنگناتا ہے کبھی دوسری زبانوں میں شعر پڑھتا ہے۔ بھینی بھینی ہوا ہے اور ہلکی ہلکی چاندنی، جس قدر طیبہ قریب ہوتا جا رہا ہے ہوا کی خنکی، پانی کی شیرینی اور ٹھنڈک لیکن دل کی گرمی بڑھتی جا رہی ہے، سنئے کوئی کہہ رہا ہے۔ ؎

بادِ صبا جو آج بہت مشکبار ہے

شائد ہوا کے رُخ پہ کھُلی زلفِ یار ہے

وہ ایک بار ادھر سے گئے مگر اب تک

ہوائے رحمتِ پروردگار آتی ہے

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں

کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سر خود را

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے

غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر ست

اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر ست

داغِ غلامیت کرد زیب سر خسروِ بلند ۔ میر ولایت شود بندہ کہ سلطاں خرید

---

[1] مسجد مدینہ کے راستے میں ایک منزل کا نام ہے۔ ۱۲

محمد عربی کآبروئے ہر دو سرا است — کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

لیجئے ذوالحلیفہ آگیا، رات کا بقیہ حصہ یہاں گذارنا ہے، غسل کیا خوشبو لگائی کچھ دیر دم لے لیجئے اور کمر سیدھی کر لیجئے، صبح ہوئی نماز پڑھی موٹر روانہ ہوئی، کیا جہاں سر کے بل آنا چاہئے تھا وہاں موٹر پر سوار ہو کر جائیں گے؟ ڈرائیور کے ساتھ بیٹھنا کام آیا "وادی عقیق" میں "بیر عروہ" کے پاس اتار دے گا، سامان مستورات اور ضعفا سوار رہیں گے، بات کرتے کرتے بیر عروہ آگیا، بسم اللہ اتر پئے، وہ دیکھئے جبلِ احد نظر آرہا ہے، ذلك جبل يحبنا ونحبه، وہ سواد مدینہ کے درخت نظر آئے، کیا یہ وہی درخت ہیں جن کے متعلق شہیدی مرحوم نے کہا تھا۔ ؎

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

وہ گنبدِ خضرا نظر آیا، دل کو سنبھالئے اور قدم اٹھائیے، یہ لیجئے مدینہ میں داخل ہوئے، مسجدِ نبوی کی دیوار کے نیچے نیچے بابِ مجیدی سے گذرتے ہوئے بابِ جبریل پر جا کر جھکے، حاضری کے شکرانہ میں کچھ صدقہ کیا اور اندر داخل ہوئے، پہلے محرابِ نبوی میں جا کر دوگانہ ادا کیا، گنہگار آنکھوں کو جگر کے پانی سے غسل دیا وضو کرایا پھر بارگاہِ نبوی پر حاضر ہوئے۔

الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللّٰہ	آپ پر صلوٰۃ وسلام اے اللہ کے رسول، آپ پر
الصلوٰۃ والسلام علیك یا نبی اللّٰہ	صلوٰۃ وسلام اے اللہ کے نبی، آپ پر صلوٰۃ و
الصلوٰۃ والسلام علیك یا حبیب اللّٰہ	سلام اے اللہ کے حبیب، آپ پر صلوٰۃ وسلام
الصلوٰۃ والسلام علیك یا صاحب	اے صاحبِ خلقِ عظیم، آپ پر صلوٰۃ وسلام اے
الخلق العظیم، الصلوٰۃ والسلام	قیامت کے دن لواء الحمد بلند کرنے والے آپ پر
علیك یا رافع لواء الحمد یوم القیٰمۃ	صلوٰۃ وسلام اے صاحب مقام محمود، آپ پر
الصلوٰۃ والسلام علیك یا	صلوٰۃ وسلام اے اللہ کے حکم سے لوگوں کو
صاحب المقام المحمود	تاریکیوں سے روشنی میں نکال کر لانے والے

الصلوٰۃ والسلام علیك یا مخرج الناس باذن اللہ من الظلمٰت الی النور، الصلوٰۃ والسلام علیك یا مخرج الناس من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ وحدہ الصلوٰۃ والسلام علیك یا مخرج الناس من جور الادیان الی عدل الاسلام ومن ضیق الدنیا الی سعۃ الدنیا والاخرۃ الصلوٰۃ والسلام علیك یا صاحب النعمۃ الجسیمۃ الصلوٰۃ والسلام علیك یا صاحب المنۃ العظیمۃ الصلوٰۃ والسلام علیك یا امن خلق اللہ علی خلق اللہ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ وانك عبدہ ورسولہ قد بلغت الرسالۃ وادیت الامانۃ ونصحت الامۃ وجاھدت فی اللہ حق جھادہ وعبدت اللہ حتی اتاك الیقین فجزاك اللہ عن ھذہ الامۃ خیر ما جزی نبیا عن امتہ ورسولا عن خلقہ اللھم اٰت محمد الوسیلۃ والفضیلۃ والبعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ انك

آپ پر صلوٰۃ وسلام اے لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کرتے والے، آپ پر صلوٰۃ وسلام اے لوگوں کو مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف میں داخل کرنے والے اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا اور آخرت کی وسعت میں پہونچانے والے آپ پر صلوٰۃ وسلام اے انسانیت کے سب سے بڑے محسن اے انسانوں پر سب سے بڑھ کر شفیق، اے وہ جس کا اللہ کی مخلوق پر اللہ کے بعد سب سے بڑا احسان ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں، آپ نے اللہ کا پیغام پوری طرح پہونچا دیا امانت کا حق ادا کر دیا، امت کی خیر خواہی میں کسر نہیں رکھی، اللہ کے راستے میں پوری پوری کوشش کی، اور وفات تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے، اللہ آپ کو اس امت اور اپنی مخلوق کی طرف وہ بہترین جزا دے جو کسی نبی اور رسول کو اس کی امت اور اللہ کی مخلوق کی طرف سے ملی ہو، اے اللہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قرب وبلندی اور وہ مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اے اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور

لاتخلف المیعاد اللھم صل علی محمد و علے	ان کی آل پر اپنی رحمتیں نازل فرما جیسی تونے
آل محمد کما صلیت علے ابراھیم و علے آلِ	ابراہیم (علیہ السلام) اور آل ابراہیمؑ پر نازل
ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علے	فرمائیں، تو حمید و مجید ہے۔ اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
محمد و علے آل محمد کما بارکت علے ابراھیم و	اور آل محمدؐ پر برکتیں نازل فرما جیسی تونے ابراہیمؑ
علے آل ابراھیم انک حمید مجید۔	و آلِ ابراہیمؑ پر نازل فرمائیں بیشک تو حمید و مجید ہے۔

اس کے بعد دونوں رفیقوں اور وزیروں کو محبت کا خراج اور عقیدت کا نذرانہ سلام و دعا کی شکل میں ادا کیا، اور قیام گاہ پر آئے۔

اب آپ ہیں اور مسجدِ نبویؐ، دل کا کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے، درود شریف پڑھنے کا اس سے بہتر زمانہ اور اس سے بہتر مقام کون سا ہو سکتا ہے، اب بھی شہود و حضور نہ ہو تو کب ہوگا، جنت کی کیاری "روضۃ من ریاض الجنۃ" میں نمازیں پڑھئے مگر دیکھئے کسی کو تکلیف نہ دیجئے، مزاحمت جگہ کو اپنے لئے محفوظ کرنا مسجد میں دوڑنا سب جگہ بُرا ہے مگر جہاں سے یہ احکام نکلے اور دنیا میں پھیلے وہاں ان کی خلاف ورزی تو بہت ہی مکروہ ہے یہاں آواز بلند نہ ہو "ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون" یہاں دنیا کی باتیں نہ ہوں، مسجد کو گزرگاہ نہ بنایا جائے، بے وضو داخل ہونے سے حتی الامکان احتراز کیا جائے، خرید و فروخت سے اجتناب کیا جائے۔

دن میں جتنے مرتبہ جی چاہے حاضری دیجئے اور سلام عرض کیجئے آپ کے نصیب کھل گئے، اب کیوں کمی کیجئے، مگر ہر بار عظمت و ادب اور اشتیاق و محبت کے ساتھ دل کی ایک حالت نہیں رہتی، وہ بھی سوتا اور جاگتا ہے جاگے تو سمجھئے کہ نصیب جاگے حاضری دیجئے اور عرض کیجئے۔ ع

ز چشمم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن

کبھی اس کا جی چاہے گا کہ غلاموں کے وفود کے ساتھ ملا جلا حاضر ہو، عشاق کی آنکھوں سے جنھوں نے ہجوری کے دن کاٹے اور فراق کی راتیں بسر کیں جب آنسوؤں کا مینھ برسے گا تو شائد کوئی چھینٹا اس کو بھی ترکر جائے، رحمت کی ہوا جب چلے گی تو شائد کوئی جھونکا اس کو بھی لگ جائے، کبھی دبے پاؤں لوگوں کی نظر بچا کر تنہائی میں حاضر ہونے کا جی چاہے گا اس باب میں دل کی فرمائشیں سب پوری کیجئے کوئی حسرت باقی نہ رہے، کبھی صرف آنسوؤں سے زبان کا کام لیجئے، کبھی ذوق و شوق کی زبان میں

عرض کیجئے، درود شریف طویل بھی ہیں اور مختصر بھی جس میں جی لگے اور ذوق پیدا ہو اس کو اختیار کیجئے
مگر اتنا خیال رکھئے کہ توحید کے حدود سے قدم باہر نہ جائے، آپ اس کے سامنے کھڑے ہیں جس کو
ماشاء اللہ وشئت اور من یعصہما سننا گوارا نہ ہو سکا[1]، سجدہ کا کیا ذکر[2] خدا کی صفات میں، اس کی
قدرت و تصرف میں، اس کی مشیئت و اختیار میں شرکت کا شائبہ بھی آنے نہ پائے، چاہے جامی کا
کلام پڑھئے چاہے حالی کی دعا سنائیے، بس اتنا خیال رکھئے کہ آپ توحید کے سب سے بڑے اور
آخری پیغمبر کے سامنے کھڑے ہیں جس کو شرک کا واہمہ بھی گوارا نہ تھا۔

اب ہم مدینہ منورہ میں مقیم ہیں جہاں کی خاکروبی کو اولیاء و سلاطین سعادت سمجھتے تھے وہاں
آپ ہر وقت حاضر ہیں، ایک ایک دن اور ایک ایک گھڑی کو غنیمت سمجھئے، پانچوں نمازیں مسجد نبوی
میں جماعت کے ساتھ پڑھئے، اگر کہیں باہر جائیے بھی تو ایسے وقت کہ کوئی جماعت فوت نہ ہو، تہجد میں
حاضر ہوئیے، یہ وقت سکون کا ہوتا ہے لوگ روضۂ جنت کی طرف دوڑتے ہیں، وہاں تو بغیر دوڑے
اور بغیر کشمکش جگہ پانی مشکل ہے، آپ پہلے مواجہہ میں آئیے اس وقت شائد آپ کو صرف پہرہ دار (عسکری)
ہی ملے، اطمینان سے سلام عرض کیجئے پھر جہاں جگہ ملے نوافل پڑھئے، اور صبح کی نماز پڑھ کر اشراق سے
فارغ ہو کر باہر آئیے۔

آئیے آج بقیع چلیں جو انبیاء علیہم السلام کے مقابر کے بعد صدق و اخلاص کا سب سے بڑا مدفن ہے۔

"دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز"

---

[1] حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے کہا ماشاء اللہ وشئت (جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں) آپ نے ارشاد فرمایا اجعلتنی
للہ ندا (کیا تم نے مجھے اللہ کے برابر کر دیا) ماشاء اللہ وحدہ جو اللہ ہی چاہے۔
ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصہما
فقد غوی (جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے راہ راست پر ہوا اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرے وہ گمراہ ہوا) حضورؐ نے
اسکو ناپسند کیا کہ اللہ تعالیٰ کا اور آپ کا ذکر اس طرح ایک لفظ میں کیا جائے جس سے دونوں کی برابری محسوس ہو، آپ نے فرمایا بئس خطیب القوم انت
تم بہت برے مقرر ہو۔ [2] حضورؐ نے حضرت قیس بن سعد صحابی سے فرمایا بھلا تم اگر میری قبر کے پاس سے گزرو تو سجدہ کرو گے
قیس نے کہا نہیں۔ فرمایا تو پھر مجھے (زندگی میں) بھی نہ کرو۔ (ابوداؤد کتاب النکاح)

اگر آپ کی سیرت نبوی، صحابۂ کرام رضؓ کے احوال و مراتب پر نظر ہے تو آپ کو وہاں صحیح احساس ہوگا آپ ہر قدم پر رکیں گے اور ایک ایک خاک کے ڈھیر کو اپنے آنسوؤں سے سیراب کرنا چاہیں گے، یہاں چپہ چپہ پر ایمان و جہاد اور عشق و محبت کی تاریخ کندہ ہے، ایک ایک ڈھیر میں اسلام کا خزانہ دفن ہے، اب آپ بقیع میں داخل ہو گئے، مزدور آپ کو سیدھا اہل بیت اطہار کے مقابر پر لیجائے گا یہاں عم رسول سیدنا عباس بن عبد المطلب، سیدۃ نساء اہل الجنۃ فاطمہ بنت الرسول، سیدنا حسن بن علیؓ سیدنا علی بن الحسین زین العابدین، سیدنا محمد الباقر، سیدنا جعفر الصادق آرام فرما ہیں۔ وہاں سے چلئے تو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اور حضرت خدیجہ و میمونہ کے علاوہ تمام ازواج مطہراتؓ پھر بنات طاہرات کے مقابر ملیں گے، پھر دار عقیل بن ابی طالب جہاں ابوسفیان بن الحارثؓ بن عبد المطلب وعبد اللہ بن جعفر وغیرہ مدفون ہیں۔ پھر آپ کو ایک ٹکڑہ ملے گا جس میں امام دار الہجرۃ سیدنا مالک بن انس صاحب المذہب اور ان کے استاد نافع آرام فرما ہیں۔ وہاں سے بڑھئے تو ایک بقعۂ انوار ملے گا، یہ ایک مہاجر کا پہلا مدفن ہے یہاں وہ عثمان بن مظعون دفن ہیں جن کی پیشانی کو حضورؐ نے بوسہ دیا تھا، یہی فرزند رسول سیدنا ابراہیم بن محمدؐ کی خواب گاہ ہے، یہیں فقیہ صحابہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود، فاتح عراق سعد بن ابی وقاص، سیدنا سعد بن معاذ جن کی وفات پر عرش الٰہی جنبش میں آگیا تھا، سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف اور دوسرے اکابر صحابہ مدفون ہیں۔ وہاں سے آگے چلئے تو شمالی مغربی جانب دیوار سے متصل وہ ستر شہداء صحابہ و اہل مدینہ جن کو واقعہ حرہ میں یزید کے دور حکومت میں ۶۳ھ میں شہید کیا گیا تھا مدفون ہیں، اس کے بعد بقیع کے بالکل کونہ پر مشرقی شمالی جانب امام مظلوم شہید الدار سیدنا عثمان بن عفانؓ آرام فرما رہے ہیں، یہاں پر کچھ دیر ٹھہریئے اور محبت و عظمت کے جو آنسو سیدنا ابوبکرؓ و سیدنا عمرؓ کے مرقد پر بہنے سے بچ رہے تھے ان کو ان کے تیسرے ساتھی کی خاک پر بہائیے۔ ؎

آسماں اسکی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اس کے آگے سیدنا ابوسعید خدری، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ فاطمہ بنت الاسد کے مقابر ہیں سب کو سلام عرض کیجئے اور سب پر فاتحہ پڑھئے۔

پھر ایک لمحہ ٹھہر کر پورے بقیع پر عبرت و تفکر کی ایک نظر ڈالئے، اللہ اکبر کتنے سچے تھے یہ اللہ کے بندے،

جو کچھ کہتے تھے کر دکھایا رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ، مکہ میں جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا مدینہ میں اسی کے قدموں میں پڑے ہیں۔ ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

گنبدِ خضرا پر ایک نظر ڈالئے پھر مدینہ کے اس شہر خموشاں کو دیکھئے صدق و اخلاص استقامت و وفا کی اس سے زیادہ روشن مثال کیا ملے گی، آئیے بقیع میں اسلام کی خدمت کا عہد کریں اور اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اسلام ہی کے راستہ پر زندہ رکھے اور اسی کے ساتھ وفاداری میں موت آئے یہی جنت البقیع کا پیغام اور یہاں کا یہی سبق ہے۔

مدینہ طیبہ کی زندگی کا ایک شعبہ اور ہے اور وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہمسایوں کی خدمت ہے اصل خدمت تو یہ تھی کہ ان کی تعلیم کا انتظام کیا جاتا، ان کو فارغ البال بنانے کی تدبیریں کیجاتیں، لیکن اس تھوڑے سے وقت میں یہ بھی بڑی سعادت ہے کہ جن لوگوں کو زمانہ کے انقلاب اور زندگی کی گرانی نے مفلوک الحال بنا دیا ہے اپنا شرف سمجھ کر ان کی خدمت کی جائے لیکن اس طرح کہ اصل محسن ان کو سمجھا جائے کہ وہ ہم کو اس سعادت کا موقع دیتے ہیں، یہ انصار و مہاجرین کی اولاد ہیں، آستانۂ نبوی پر پڑے ہوئے ہیں کوشش کی جائے کہ واقفین حال اور قدیم باشندوں کے ذریعہ ان لوگوں تک پہونچا جائے جن کی صفت قرآن مجید میں بیان کی گئی، مِنَ الْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔

قبا میں بھی حاضری دیجئے، یہ وہ بقعۂ نور ہے جو حضور اکرم صلعم کے قدوم سے مدینہ سے بھی پہلے مشرف ہوا وہاں اس مسجد کی بنیاد رکھی گئی جس کو لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ کا خطاب ملا، محبت و عظمت کے ساتھ حاضر ہوئیے، اس زمین پر نماز پڑھئے پیشانی خاک پر رکھئے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا کے قدموں سے پامال ہوئی ہے، اس فضا میں سانس لیجئے جس میں وہ انفاسِ قدسیہ اب بھی بسے ہوئے ہیں۔ ؎

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ اربابِ نظر خواہد بود

آج جبل احد اور اس کے مشہد میں (جس کو یہاں عرف عام میں سیدنا حمزہ کہتے ہیں) حاضری کی باری ہے، دو تین میل کی مسافت کیا بات کرتے کرتے پہونچ گئے، یہ وہ زمین ہے جو اسلام کے سب سے قیمتی خون سے سیراب ہوئی، سب سے سچے سب سے اچھے سب سے اونچے عشق و محبت اور وفا کے واقعات جو دنیا کی پوری تاریخ میں نہیں ملتے اسی زمین پر پیش آئے، سید الشہدا حمزہؓ کے رسول اللہؐ کی محبت اور اسلام کی وفاداری میں یہیں اعضا کاٹے گئے اور جگر کھایا گیا، عمارۃ بن زیاد نے قدموں سے آنکھیں مل مل کر یہیں جان دی، انس بن النضر کو جنت کی خوشبو اسی پہاڑ کے درے سے آئی، اور اسی سے اوپر زخم کھا کر یہیں سے رخصت ہوئے، دندان مبارک یہیں شہید ہوئے، سر پر زخم یہیں آئے، عشاق نے اپنے ہاتھوں اور پیٹھ کو محبوب کے لئے سپر یہیں بنایا، مکہ کا ناز پروردہ مصعب بن عمیرؓ یہیں ایک کمل میں شہید اور ایک کمل میں دفن ہوا، یہاں اسلام کے شیر سوتے ہیں، یہ پوری زمین شمع نبوت کے پروانوں کی خاک ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عشاق اور اسلام کے جاں نثاروں کی بستی ہے۔ ؎

یہ بلبلوں کا صبا مشہدِ مقدس ہے!
قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں!

یہاں کی فضا اور یہاں کے پہاڑ سے اب بھی موتوا علی مامات علیہ رسول اللہ (اسی پر جان دے دو جس پر رسول اللہؐ دنیا سے گئے)[1] کی صدائے بازگشت آتی ہے، آیئے اسلام پر جینے اور جان دینے کا عہد پھر تازہ کریں۔

مدینۂ طیبہ کے ذرہ ذرہ کو محبت و عقیدت کی نگاہ سے دیکھئے، تنقید کی نگاہ اور اعتراض کی زبان کے لئے دنیا پڑی ہوئی ہے۔ زندگی کے چند دن کانٹوں سے الگ پھولوں میں گذر جائیں تو کیا حرج ہے، پھر بھی اگر آپ کی نگاہ کہیں رکتی اور اٹکتی ہے تو غور سے کام لیجئے وہ ہماری

---

[1] یہ مقولہ حضرت انس بن النضر کا ہے انھوں نے بعض صحابہ کو میدان احد میں بیٹھا ہوا دیکھا پوچھا کیوں بیٹھے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو گئے اب لڑ کر کیا کریں گے؟ کہا تو پھر اسی پر تم بھی جان دے دو جس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جان دی۔

کوتاہی کے سوا اور کیا ہے، ہم نے دین و دنیا کی خیرات یہیں سے پائی، آدمیت یہیں سے سیکھی، یہاں کی دستگیری نہ ہوتی تو ہم میں سے کتنے (معاذ اللہ) بتخانہ، آتش کدہ اور کلیسا میں ہوتے، لیکن ہم نے اس کا کیا حق ادا کیا، یہاں کے بچوں کی تعلیم و تربیت، یہاں کے لوگوں میں دین کی رُوح اور مقصد کا احساس پیدا کرنے کی کیا کوشش کی، فاصلہ کا عذر صحیح نہیں، ان کے بزرگوں نے سمندر اور صحرا عبور کر کے اور پہاڑوں کو طے کر کے دین کا پیغام ہم تک پہونچایا، ہم نے بھی اپنے فرض کا کبھی احساس کیا؟ کیا ہم سمجھتے ہیں کہ دین کے احسان کا بدلہ ہم چند سکوں سے ادا کر دیں گے جو ہمارے حجاج اپنی کم نگاہی سے احسان سمجھ کر مدینہ کی گلیوں میں بانٹتے پھرتے ہیں۔

ہم صدیوں غافل رہے اور اب بھی ہمارے اہلِ استطاعت غافل ہیں، اس عرصہ میں جہالت، بے تربیتی، اور یورپ کی تہذیب و تمدن اور اس کی جاہلیت جس کا جال ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے یہاں بھی اپنا کام کرتی رہی، ان کے نوجوانوں کو متاثر کرتی رہی، بجائے خوبیوں اور محاسن کے تمام عالم اسلام کے حجاج وزائرین اپنی اپنی مقامی کمزوریاں اپنے ساتھ لاتے رہے اور یہاں چھوڑ کر جاتے رہے، دینی دعوت و تذکیر جو ایمانی زندگی کے لئے ہوا اور پانی کی حیثیت رکھتی ہے عرصہ سے مفقود، صحیح تعلیم و تربیت معدوم، ایسا ادب جو ایمان کو غذا اور دماغ کو روشنی عطا کرے نایاب، تزکیۂ نفس تہذیب اخلاق اور روحانیت پیدا کرنے والے مرکز غیر موجود، مختلف راستوں سے مریض و مدقوق ادب، فاسد و خام افکار و مضامین اخبارات و رسائل ادب و اجتماع کے نام سے گھر گھر پھیلے ہوئے، زہر موجود تریاق مفقود، اگر اب بھی اہلِ مدینہ میں دین کی اتنی عظمت و محبّت، رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تعلق، مدینہ سے انس اخلاق میں لینت و تواضع فرائض کی پابندی، شعائر اسلامی کا رواج ہے تو یہ محض جوارِ رسُول کی برکت، اس خاکِ پاک کی تاثیر اور اہلِ مدینہ کی فطری خوبی کی دلیل ہے۔

اب بھی اغنیاء امت اور عالمِ اسلام کے اہل ثروت اس ضرورت کی طرف متوجہ نہیں، کہ اہل حجاز کی صحیح تعلیم و تربیت اور ان میں دعوت و تذکیر کا انتظام کریں جو ان میں دینی روح، مقصدیت، بلند نظری، اور اسلام کے داعی بننے کا جذبہ اور ولولہ پیدا کر دے اور "معمارِ حرم" کو "تعمیرِ جہاں" کیلئے دوبارہ آمادہ کرے اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللہِ۔

آپ اگر مدینہ طیبہ کے مضافات اور بدؤں کی ان عارضی نوآبادیوں میں چل پھر کر دیکھیں گے جو

کھجوروں کی فصل میں اپنے پہاڑی مقامات سے اتر کر چشموں اور باغات میں اپنے خیمے ڈال کر مقیم ہو جاتے ہیں، تو آپ کو ان کی دینی حالت کا احساس ہوگا، اور اگر ہمارا ضمیر ابھی مردہ نہیں ہوا ہے تو ہم اپنی اس غفلت و کوتاہی پر شرم محسوس کریں گے جو ہم نے اپنے "مرشد زادوں" کے حق میں صدیوں سے اختیار کر رکھی ہے۔ آپ کا اگر تھوڑا وقت نظم و انضباط کے ساتھ مدینہ کی آبادی اور اس کے اطراف میں دینی دعوت و اصلاح میں گذر جائے گا تو وہ مدینہ طیبہ کی فضا سے انتفاع کی بڑی موثر صورت ہوگی، مگر ان کی عظمت اور ان کے مرتبہ کی رعایت ضروری ہے ان کو تحقیر کی نگاہ سے ہرگز نہ دیکھیں۔

مدینہ دعوتِ اسلامی کا معدن ہے اس دعوت کو اس معدن سے اخذ کیجئے اور اپنے اپنے ملک کے لئے یہ سوغات لیکر آئیے، کھجوریں، گلاب و پودینہ، خاکِ شفا، محبت کی نگاہ میں سب کچھ ہیں مگر اس سرزمین کا اصلی تحفہ اور یہاں کی سب سے بڑی سوغات دعوت اور اسلام کے لئے جد و جہد اور جان دیدینے کا عزم ہے، مدینہ مسجدِ نبوی کے چپہ چپہ، بقیع شریف کے ذرہ ذرہ، احد کی ہر ہر کنکری سے یہی پیغام دیتا ہے، مدینہ آکر کوئی یہ کیسے بھول سکتا ہے کہ اس شہر کی بنیاد ہی دعوت و جہاد پر پڑی تھی، یہاں وہی لوگ مکہ سے آکر آباد ہوئے تھے جن کے لئے مکہ میں سب کچھ تھا مگر دعوت و جہاد کے مواقع نہ تھے، یہاں کی آبادی دو ہی حصوں پر منقسم تھی ایک وہ جس نے اپنا عہد پورا کر دیا اور اسلام کے راستہ میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی، کوئی خوف کوئی ترغیب اس کو اپنے مقصد سے باز نہ رکھ سکی، دوسرا وہ جس نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی لیکن اللہ کو ابھی ان سے اور کام لینا منظور تھا، ان کا جو وقت گذرتا حالتِ انتظار میں گزرتا، شہادت کے اشتیاق میں گزرتا "مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا" یہی عالم اسلام کا حال ہونا چاہئے، یہاں بھی یا تو وہ ہونے چاہئیں جو اپنا کام پورا کر چکے، یا وہ جو وقت کے منتظر ہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو زندگی کے حریص اور دنیا پر راضی، موت سے خائف اور خدمت سے گریزاں ہوں، معاش میں سرتاپا منہمک اور عارضی مشاغل میں ہمہ تن غرق ہوں انکی گنجائش نہ مدینہ میں تھی نہ عالم اسلام میں ہونی چاہئے۔

مدینہ طیبہ کے قیام میں درود شریف، تلاوتِ قرآن اور اذکار سے جو وقت بچے اگر حدیث اور سیرت و شمائل کے مطالعہ میں گذرے تو بہت پر تاثیر اور بابرکت ہوگا، اسی پاک زمین پر یہ سب واقعات

پیش آئے۔ یہاں ان واقعات کا مطالعہ اور کتب شمائل میں مشغولیت بہت کیف آور اور موجب ترقی ہوگی۔ اُردو خواں حضرات قاضی سلیمان صاحب منصورپوریؒ کی "رحمۃ للعالمین" اور شیخ الحدیث سہارنپوری کی "خصائل نبویؐ" (ترجمہ شمائل ترمذی) کو حرز جان بنائیں۔ اہل عربیت حافظ ابن قیمؒ کی "زاد المعاد" اور "شمائل ترمذی" سے اشتغال رکھیں۔ جن کو آثار مدینہ منورہ کی زیارت و تحقیق کا ذوق ہو اُن کے لئے سمہودیؒ کی "وفاء الوفا باخبار دار المصطفٰے" اور "آثار المدینۃ المنورہ" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

لیجئے قیام کی مدت ختم ہونے کو آئی، کل کہتے ہیں کہ قافلہ کا کوچ ہے۔ ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اب رہ رہ کر اس قیام کے سلسلہ کی کوتاہیاں اور یہاں کے حقوق کی ادائی میں اپنی تقصیر دل میں چٹکیاں لیتی ہے، اب استغفار و ندامت کے سوا کیا چارہ ہے۔

آج کی رات مدینہ کی آخری رات ہے، ذرا سویرے سے مسجد میں آجائیے۔ ؎

تمتع من شمیم عرار نجد

فما بعد العشیۃ من عرار

لیکن دل کو ایک طرح کا سکون بھی حاصل ہے، آخر جا کہاں رہے ہیں؟ اللہ کے رسولؐ کے شہر سے اللہ کے شہر کی طرف، اللہ کے اس گھر سے جس کو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھیوں نے اپنے پاک ہاتھوں سے بنایا، اللہ کے اس گھر کی طرف جس کو ان کے جد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے فرزند نے اپنے پاک ہاتھوں سے بنایا، اور جا کیوں رہے ہیں؟ اللہ کے حکم سے اور اللہ کے رسولؐ کی مرضی اور ہدایت سے، یہ دوری دوری کب ہوئی۔ ؎

نہ دوری دلیلِ صبوری بود

کہ بسیار دوری ضروری بود

آخری سلام عرض کیا، مسجد نبویؐ پر حسرت کی نگاہ ڈالی، اور باہر نکلے غسل کر کے احرام کی تیاری کر لی تھی، ذوالحلیفہ میں جانے موقع ملے نہ ملے، موٹر پر بیٹھے، محبوب شہر پر محبت کی نگاہ ڈالتے چلے احد کو ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا، اب مدینہ سے باہر ہو گئے جو لمحہ گذرتا ہے مدینہ دور اور مکہ قریب

ہوتا جاتا ہے۔ الحمد للہ کہ ہم حرمین کے درمیان ہی ہیں۔ ع

"صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم"

ذو الحلیفہ آگیا، مسجد میں دو رکعت نماز احرام کی نیت سے پڑھی، سلام پھیرتے ہی سر کھول دیا اور ہر طرف سے آواز آئی:-

لبیك اللھم لبیك لبیك لا	حاضر ہوں، اے اللہ حاضر ہوں، تیرا کوئی
شریك لك لبیك ان الحمد	شریک نہیں حاضر ہوں، سب تعریف، سارا
والنعمة لك والملك لا	احسان تیرا ہی ہے، سلطنت تیری ہی ہے،
شریك لك ؕ	تیرا کوئی شریک نہیں۔

مستورات نے تمتع کی نیت کی، ہم نے قران کی نیت کی، مستورات کے لئے چہرہ نہ ڈھکنے کی پابندی سخت ہے اس لئے وہ عمرہ کر کے احرام کھول دیں گی، پھر آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھیں گی۔ ہم مردوں کے لئے کچھ زیادہ دشواری نہیں اس لئے ہم نے عمرہ اور حج کا احرام ساتھ باندھا، ہم دس ذی الحج کو حج سے فارغ ہو کر ہی احرام کھولیں گے۔

ہمارے امیر حج صاحب نے حج کی ذمہ داری اور اس کے حقوق و آداب کے متعلق مختصر تقریر کی، تلبیہ (لبیک لبیک) کی کثرت، حج کی عظمت، حسنِ رفاقت، باہمی الفت، ایثار و خدمت کی طرف خاص طور پر متوجہ کیا، اور لبیک لبیک کی صدا کے ساتھ قافلہ روانہ ہوا۔

راستہ میں الحمد للہ نماز و جماعت کا پورا اہتمام رہا، تلبیہ زبانوں پر جاری رہا، لڑائی جھگڑے کی نوبت ہی نہ آنے پائی، منزلوں پر ٹھہرتے، نمازیں پڑھتے، کھاتے پیتے نہایت لطف و مسرت اور محبت و الفت کے ساتھ چلتے رہے۔

جدہ آیا اور گذر گیا، اب شہنشاہِ ذو الجلال کا شہر اور اس کا گھر قریب ہے، باادب و ہوشیار! مدینہ اگر مرکزِ جمال تھا تو یہ مرکزِ جلال ہے، مدینہ کی در و دیوار سے اگر محبوبیت ٹپکتی ہے تو یہاں کے در و دیوار سے عاشقی نمایاں ہے، یہاں عاشقانہ آنے کی ضرورت ہے، برہنہ سر، کفن بر دوش پریشاں بال، یہی یہاں کے آداب میں سے ہے۔

نظر اٹھایئے مکہ سامنے نظر آرہا ہے۔

اللھم اجعل لی بہا قراراً وارزقنی فیھا رزقاً حلالاً ۔ اے اللہ مجھے اپنے شہر میں ٹھکانا عطا فرما، اور مجھے اس میں رزق حلال نصیب فرما۔

لیجئے اب ہم اللہ کے شہر بلد اللہ الحرام، البلد الامین میں داخل ہو گئے، جس شہر کا نام تسبیح کی طرح بچپن سے ہر مسلمان کی زبان پر جاری رہتا ہے، جس کا اشتیاق جنت کی طرح ہر مومن کے دل میں رہتا ہے جو ہر مسلمان کا ایمانی اور دینی وطن ہے، جس کی کشش ہر زمانے میں ہزاروں میل کی مسافت، پہاڑوں کی چوٹیوں اور وادیوں کی گہرائیوں سے مشتاقانِ زیارت کو کھینچتی رہی۔ لیجئے مسجد حرام پر پہونچ گئے، باب السلام سے داخل ہوئے، یہ سیاہ غلاف میں ملبوس مسجد حرام کے بیچوں بیچ بیت اللہ نظر آرہا ہے۔

اللھم زد ھٰذا البیت تشریفاً وتعظیماً وتکریماً ومھابۃً وزد من شرفہ وکرمہ ممن حجہ او اعتمرہ تشریفاً وتکریماً وتعظیماً وبراً اللھم انت السلام ومنک السلام فحینا ربنا بالسلام ۔ اے اللہ اس گھر کی عزت و عظمت، شرافت و ہیبت میں ترقی فرما، اور حج وعمرہ کرنے والوں میں بھی جو اس کی تعظیم و تکریم کرے اُسکو بھی شرافت و عظمت اور نیکی عطا فرما، اے اللہ تیرا ہی نام سلام ہی اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے، ہم پر سلامتی بھیج۔

یہی بیت اللہ ہے جس کی طرف ہزاروں میل کے فاصلہ سے ساری عمر نمازیں پڑھتے رہے، جس کی طرف نماز میں منھ کرنا فرض تھا، آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہے، ہمارے اور اس کے درمیان چند گز سے زیادہ فاصلہ نہیں، ہم اپنے گنہگار ہاتھوں سے اس کے غلاف کو چھو سکتے ہیں، اس کو آنکھوں سے لگا سکتے ہیں، اس کی دیواروں سے چمٹ سکتے ہیں۔ عمر میں بڑی بڑی حسین و جمیل عمارتیں اور فن تعمیر کے بڑے بڑے نمونے دیکھے، لیکن اس سادہ سے چوکور گھر میں خدا جانے کیا حُسن و جمال اور کیا دل کشی و محبوبیت ہے کہ آنکھوں میں کھپا جاتا ہے اور دل میں سمایا جاتا ہے، کسی طرح نظر ہی نہیں بھرتی۔ تجلیاتِ الٰہی اور انوار کا ادراک تو اہل نظر کر سکتے ہیں لیکن جلال و جمال کا ایک پیکر ہم جیسے بے حسوں اور کم نظروں کو بھی نظر آتا ہے اور یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس کے دیکھنے سے آنکھوں کو سیری اور دل کو آسودگی نہیں ہوتی، جی چاہتا ہے کہ دیکھتے ہی رہئے۔ اس کی مرکزیت و موزونیت، اس کی زیبائی و رعنائی، جلال و جمال کی آمیزش الفاظ سے بالاتر ہے۔ سہ

محاسنہ ھیولے کل حسن ۔۔۔ ومغناطیس افئدۃ الرجال

اس کا دیکھتے رہنا دل کا سرور، آنکھوں کا نور، رُوح کی غذا اور نظر کی عبادت ہے، دل کی کلفت اس سے کافور، دماغ کا تکان اس سے دور ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عجیب نعمت عطا فرمائی ہے سارے عالم کی دل کشی اور دل آویزی اس میں سمٹ کر آ گئی ہے۔

ذی الحج کا مہینہ شروع ہو چکا ہے، حجاج کا ہجوم ہے، بیت اللہ کے گرد طواف کرنے والوں کا چکر چل رہا ہے، سیاہ غلاف کے چاروں طرف سفید احرام میں ملبوس انسانوں کی گردش، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ کعبہ کے گرد دودھ کی ایک نہر بہہ رہی ہے، ہم بھی آدمیوں کے اس بہتے ہوئے دریا میں داخل ہوئے، ہمارے معلم ہمارے ساتھ تھے انھوں نے ہمیں طواف کرایا، وہ طواف کی دعائیں پڑھتے جاتے تھے ہم اس کو دُہراتے تھے۔ پھر ہم کو محسوس ہوا کہ اس طرح نہ تو طواف کا لطف آ رہا ہے نہ دُعاؤں کا اس لئے جو مسنون دعائیں یاد تھیں ہم نے وہ پڑھنی شروع کر دیں۔ چونکہ ہم کو اس طواف کے بعد سعی بھی کرنی تھی اس لئے ہم نے رمل و اضطباع بھی کیا، ہجوم کی وجہ سے استلام (حجر اسود کو بوسہ دینے) کی نوبت نہیں آتی تھی، حجر اسود کے سامنے پہونچ کر ہاتھ کا اشارہ کر دیتے تھے۔ طواف کے بعد ہم مقام ابراہیمؑ پر آئے، اور دو رکعت واجب الطواف پڑھی، پھر ملتزم پر آئے، یہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کا حصہ ہے یہاں اللہ کے بندے بیت اللہ کی دیوار اور اس کے غلاف سے چمٹے ہوئے[1] اس طرح بلک بلک کر رو رہے تھے اور اللہ کے گھر کا واسطہ دے کر اس کی چوکھٹ سے لپٹ کر اللہ سے مانگ رہے تھے جس طرح ستائے ہوئے بچے اپنی ماں سے چمٹ کر روتے اور بلبلاتے ہیں، جس وقت وہ

یا رب البیت، یا رب البیت — اے گھر والے، اے گھر کے مالک

کہتے، تو ایک کہرام مچ جاتا، سخت سے سخت دل بھی بھر آتا، آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور دعاؤں کی

---

[1] عبد الرحمٰن بن صفوانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہؓ کو بیت اللہ سے نکلتے ہوئے دیکھا انھوں نے بیت اللہ کو ملتزم کی جگہ پر بوسہ دیا، انکے رخسارے کعبہ پر تھے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انکے درمیان میں تھے۔ (ابوداؤد باب الملتزم)

محمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد عبد اللہ بن عمرو کو دیکھا کہ انھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور ملتزم پر ٹھہرے اور اپنا سینہ اور چہرہ اور اپنی دونوں باہیں اور ہتھیلیاں اس پر رکھ دیں اور ان کو اچھی طرح پھیلا دیا (یعنی چمٹ گئے) پھر فرمایا کہ میں نے اسی طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کرتے دیکھا ہے۔ (ابوداؤد باب الملتزم)

قبولیت کا ایک اطمینان سا ہونے لگتا، خدا کی طرف رجوع و انابت کا یہ ایک ایسا منظر تھا کہ دنیا کی کوئی قوم اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس امت کو اس گئی گزری حالت میں بھی اپنے مالک سے جو تعلق ہے اس کا عشر عشیر بھی کہیں نظر نہیں آتا معلوم ہوتا تھا کہ دل سینہ سے نکل جائیں گے قلب و جگر آنسو بن کر بہہ جائیں گے، لوگ غش کھا کر گر جائیں گے۔ ان دعاؤں میں بڑا حصہ مغفرت و عفو، رضاء الٰہی، حسن خاتمہ اور جنت کی دعاؤں کا تھا، اللہ سے کسی مادی سے مادی چیز کا مانگنا بھی مادیت نہیں سراسر روحانیت و عبادت ہے لیکن ان دعاؤں میں آخرت اور روحانیت کا حصہ اس عالم مادی کی چیزوں سے بہر حال زیادہ تھا، افکار و پریشانیوں کے اس دور میں اللہ کے بہت سے بندے صرف اللہ کی محبت، توفیق اطاعت، شان عبودیت، اخلاص، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت، عشق کامل اتباع سنت، دین کی خدمت اور اسلام پر جینے اور مرنے کی دعا کر رہے تھے۔ بہت سے اللہ کے بندے اپنی دنیاوی ضروریات کو بے تکلف مانگ رہے تھے کہ وہ کریم ہے اس کے دروازہ اور اس کے آستانہ پر نہ مانگی جائیں گی تو کس سے اور کہاں مانگی جائیں گی۔ بہت سے اللہ کے بندے کعبہ کے پردہ میں منھ ڈالے ہوئے گریہ و بکا اور مناجات و دعا میں مشغول تھے، غرض یہاں سائلوں کا ہجوم اور فقراء کا جمگھٹا تھا، رب کریم کا دروازہ کھلا تھا، اور بے صبر و مضطر سائل سوال و طلب میں بالکل کھوئے ہوئے تھے۔

ملتزم سے ہم زمزم پر آئے، پہلی مرتبہ آسودہ ہو کر زمزم شریف پیا، اس کے اصل مقام پر پیا، پھر باب الصفا سے نکل کر ہم سعی کے لئے مسعیٰ میں آئے۔ ہمیشہ سے یہ تصور تھا کہ صفا اور مروہ دو پہاڑ ہیں ان کے درمیان ایک غیر آباد سا راستہ ہوگا طول طویل اس پر لوگ دوڑتے ہوں گے، یہاں کچھ اور ہی نظر آیا، پہاڑ کھود کر اس سے بڑی بڑی عمارتیں بن گئی تھیں، پختہ سڑک کے کنارہ ایک ذرا سی بلندی تھی چند سیڑھیوں کا ایک زینہ تھا اس پر چڑھ کر سعی کی نیت کی اور کہا ابدأ بما بدأ اللہ بہ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ (جس چیز کو اللہ نے مقدم رکھا ہے اس کو میں بھی مقدم رکھتا ہوں) ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ (بیشک صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں)۔ بیت اللہ کی طرف منھ کر کے ہاتھ اٹھا کر حمد و ثنا و تکبیر و تہلیل کی دعا کی، پھر اترے اور مروہ کی طرف چلے میل کے سبز نشانوں کے درمیان (جہاں حضرت ہاجرہ اسمٰعیل علیہ السلام کے اوجھل ہو جانے کی وجہ سے بیقرار ہو کر دوڑتی تھیں) ذرا دوڑ کر چلے پھر معمولی چال سے چلنے لگے۔ ادھر مروہ کی طرف جانے والوں اور مروہ سے صفا کی طرف آنے والوں کے قافلے

قطار اندر قطار ملتے رہے۔ کبھی جاوی پاس سے گذر جاتے، کبھی مصری چپیلتے ہوئے نکل جاتے، کبھی مراکشی وجزائری سامنے سے آتے نظر آتے، کبھی ترکی و بخاری راستہ میں ساتھ ہو جاتے، کبھی تکرونی و سوڈانی قدم بڑھا کر آگے ہو جاتے، ہر ایک احرام میں ملبوس، ننگے سر ننگے پاؤں، عاشقانہ حال، مستانہ چال، دنیا سے بے خبر اپنی دُھن میں مست "رب اغفر وارحم انك انت الاعز الاکرم" کی صداؤں سے فضا گونجتی ہوئی، دونوں طرف پر رونق دُکانیں، مسعیٰ کا بازار اپنے پورے شباب اور بہار پر، موٹریں اور کاریں ہارن بجاتی ہوئی اور آدمیوں کو بچاتی ہوئی نکلتی رہتی ہیں، دُکانوں پر سودے بک رہے ہیں شربت کے گلاس کے دور چل رہے ہیں، صرافوں کی دُکانوں پر روپیہ گننے اور سکّوں کے گرنے کی آواز کانوں میں آرہی ہے، لیکن عشاق کا مجمع سر جھکائے نظر بچائے، اپنی دھن میں چلا جا رہا ہے۔ عشق کی پوری تصویر، دنیا میں مومن کے رہنے کی مکمل تفسیر، خلوت در انجمن کا پورا منظر، دنیا کے بازار میں چلتی پھرتی مسجدیں اور گونجتی ہوئی اذانیں سعی کیا ہے، مومن کی پوری زندگی، بھرے بازار پھولوں سے لدے گلزار میں رہنا اور دل نہ لگانا، مقصد کو پیش نظر رکھنا، مبدا و منتہیٰ کو نہ بھولنا، اپنے کام سے کام رکھنا، صفا سے چل کر نہ مروہ کو فراموش کرنا نہ مروہ سے چل کر صفا کو بھول جانا، کہیں نہ اٹکنا کہیں نہ الجھنا، پیہم گردش، مسلسل عمل، مسعیٰ میں دونوں طرف دکانوں کے ہونے نے اور سعی کے اس محل وقوع نے سعی میں ایک خاص معنویت اور لطف پیدا کر دیا ہے۔

آپ کو اس راستہ پر عالم اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ کے مسلمان ایک لباس میں ملبوس، ایک ترانہ بلند کرتے ہوئے، ایک عشق و سرمستی کی کیفیت میں آتے جاتے نظر آئیں گے، تیز قدم بڑھاتے ہوئے ننگا سر اللہ کے سامنے جھکائے ہوئے چلے جا رہے ہیں، ان میں امیر بھی ہیں غریب بھی، سرخ سفید شامی و مغربی بھی اور سیاہ فام حبشی و تکرونی بھی، مرد بھی اور عورت بھی، لیکن کسی کو کسی کے دیکھنے اور توجہ کرنے کی فرصت نہیں، بعض اوقات اس مجمع عشاق کو دیکھ کر قلب پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے اور بے اختیار ان عشاق کے پاؤں پڑنے اور انکی بلائیں لینے کا جی چاہتا ہے، اسلام کی محبت جوش مارتی ہے، وطن و قوم کی حد بندیاں ٹوٹنے لگتی ہیں اور دینی وحدت کا احساس ابھرنے لگتا ہے۔

لیجئے مروہ پر سعی ختم ہوئی، ساتواں پھیرا تمام ہوا، دُعا کیجئے، حجام کے پاس جا کر بال بنوائیے

اور اب اگر آپ متمتع یا مفرد ہیں تو احرام کھول دیجئے، اور اگر قارن ہیں تو نہ حجامت بنوایئے نہ احرام کھولئے۔

اب روزانہ کا معمول یہ ہے کہ صبح صادق سے پہلے حرم میں آگئے، کبھی رکن یمانی کے سامنے مصلی مالکی کے پاس، کبھی حطیم کے سامنے مصلی حنفی کے نزدیک، کبھی مصلی حنبلی سے ملے ہوئے اور کبھی قسمت سے مقام ابراہیم کے پاس یا مصلی شافعی کے دائیں بائیں نوافل پڑھے، کبھی ہر دو رکعت کے بعد ایک طواف کیا، کبھی نوافل کے بعد اکٹھا کئی طواف کر لئے غرض جس طرح موقع ملا نوافل و طواف میں وقت گذارا، صبح کی اذان ہوئی، نماز پڑھی، اس وقت طواف کرنے والوں کا ہجوم ہوتا ہے، خدا جانے کتنے اولیاء اللہ اور مقبولین بارگاہ ہوتے ہیں۔ عامۂ مومنین بھی کیا کم ہیں، طلوع آفتاب تک طواف کئے، پھر اکٹھا طواف کی رکعتیں پڑھیں، اشراق پڑھی اور قیام گاہ پر آگئے۔

مکۂ معظمہ میں طواف سے بہتر مشغلہ اور وظیفہ کیا، سارے دن آدمی طواف کر سکتا ہے۔ بعض اہل ہمت بیس بیس، تیس تیس طواف دن بھر میں کر لیتے ہیں۔ فضائل حج میں ہے کہ کُرز بن وبرۃ کا معمول تھا کہ ستر طواف دن میں، اور ستر طواف رات میں کرتے اور دو دو قرآن روزانہ پڑھ لیتے (بحوالہ احیاء) آخر شب میں اور گرمیوں میں ٹھیک دوپہر کو مجمع کم ہوتا ہے، بعض اہل ذوق ان اوقات کا انتظار کرتے ہیں، بعض ہر نماز کے بعد کرتے ہیں، بعض مجمع ہی کو پسند کرتے ہیں کہ معلوم نہیں کس کی برکت سے ہمارا طواف اور ہماری دعائیں بھی قبول ہو جائیں، رحمتِ الٰہی کسی کی طرف متوجہ ہو اور ہم کو بھی نہال کر جائے۔

"وللناس فی ما یعشقون مذاهب"

لیکن کسی وقت آیئے، دن ہو یا رات، پچھلا پہر ہو یا ٹھیک دوپہر، شمع پر پروانوں کا وہی ہجوم ہے، مطاف کسی وقت خالی نہیں، اگر اس کے انتظار میں رہیے گا کہ دو چار آدمی ہوں اور پورے سکون و طمانیت کے ساتھ طواف کریں تو یہ حسرت کبھی پوری نہ ہوگی، جس کو اللہ تعالیٰ نے مثابة للناس (لوگوں کے لوٹ لوٹ کر آنے کی جگہ) بنایا، اور جس کو سب سے بڑی محبوبیت و مرکزیت عطا فرمائی اور دلکشی کوٹ کوٹ کر بھر دی، وہ عشاق سے خالی کب رہ سکتا ہے، رات کو عشا کے بعد سے صبح صادق تک

ہر ہر گھڑی میں آکر دیکھا دربار بھرا ہی ہوا پایا۔

ادھر ملتزم کا حال یہ ہے کہ وہ دعا کرنے والوں اور مچل مچل کر مانگنے والوں اور لپٹ لپٹ کر فریاد کرنے والوں سے کسی وقت خالی نہیں کوئی عربی میں، کوئی فارسی میں، کوئی ترکی میں، کوئی سوڈانی میں، کوئی جاوی میں، کوئی اُردو میں، کوئی بنگالی میں، کوئی نثر میں، کوئی نظم میں، کوئی زبانِ بے زبانی میں عرضِ حال کر رہا ہے، دل کھول کھول کر مانگ رہا ہے، پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہے، کوئی پردہ میں منھ ڈالے بڑے درد سے پڑھ رہا ہے۔ ؎

بر در آمد بندۂ بگریختہ آبروئے خود بعصیاں ریختہ

یارب البیت، یارب البیت کی صدا بلند ہے۔

حرم میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اس لئے اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا، کہ کوئی فرض نماز حرم میں نہ ہو۔ حرم کے باہر اور آدمی کہیں جائے بھی تو کہاں جائے؟ بس ہم ہیں اور حرم ہے، نمازیں بھی ہیں، نوافل بھی ہیں، طواف بھی ہیں، تلاوت و اذکار بھی ہیں۔

بات کرتے کرتے ذی الحجہ کی ابتدائی تاریخیں ختم ہو گئیں، لیجئے آج ۷ ذی الحجہ ہو گئی، رات بیچ میں ہے کل منیٰ جانا ہے، سواریوں کے انتظامات ہو رہے ہیں، احرام کی تیاریاں ہیں، کوئی موٹر طے کر رہا ہے، کوئی کار اور ٹیکسی کی بات چیت کر رہا ہے، کوئی اونٹ کا انتظام سوچ رہا ہے کوئی پیدل جانے ہی کی ٹھان رہا ہے، رات گذری صبح ہوئی، حج کی اصل مشغولیت شروع ہو گئی، کوئی دن چڑھے سواری آگئی، سوار ہوئے، لبیک لبیک کی صداؤں کے ساتھ منیٰ کا رُخ کیا، جو پاس سے گذرتا لبیک ہی سے سلام کرتا۔ تین میل کا فاصلہ ہی کیا بات کرتے پہونچ گئے، یہ ڈیروں اور خیموں کا ایک عظیم الشان شہر، جہاں تک نظر کام کرتی رنگ برنگ کے خیمے اور چھولداریاں ہی نظر آتیں۔ سارا عالم اسلام یہاں سمٹا ہوا نظر آتا ہے وہ بھی حدود کی تقسیم کے بغیر، یہاں ہندی ہیں وہاں جاوی، یہ مصری ہیں وہ شامی، ذرا آدمی بھٹک جائے پھر قیام گاہ کا پتہ لگانا مشکل، اپنے معلم کے جھنڈے کے نیچے اپنے خیمہ میں مقیم ہوئے، آج کا سارا دن اور پوری رات یہاں بسر کرنی ہے کل ۹ کو عرفات کی طرف کوچ ہے۔ یہاں اللہ کا نام لینے، نمازیں پڑھنے، ذکر و دعا میں مشغول رہنے کے سوا کام ہی کیا ہے لیکن انسان کی ضروریات اور اسکی دلچسپیوں نے یہاں بھی بازار لگا رکھا ہے، دکانیں کھلی ہوئی ہیں،

ضرورت کی چیزیں ڈیرے ڈیرے خیمے خیمے بک رہی ہیں، پانی والے دروازے دروازے پانی لئے پھر رہے ہیں۔ظہر کی نماز کے لئے منیٰ کی مشہور تاریخی مسجد "مسجد خیف" گئے، نہایت وسیع اور پرفضا میدان، بیچوں بیچ ایک قبہ جس کے متعلق اہل خبر کہتے ہیں کہ بیسیوں پیغمبروں نے یہاں نمازیں پڑھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ یہاں نصب ہوا، نہایت بابرکت اور پُرانوار جگہ ہے، زیادہ وقت یہیں گذرے تو بہتر ہے مگر ساتھیوں کو تکلیف اور کسی قسم کی کلفت نہ ہو۔

عشا پڑھ کر تبلیغی جماعت کے علماء نے ذوق وشوق اور حج کی عظمت پیدا کرنے والی تقریریں کیں جن میں عرفات ومزدلفہ اور باقی ایام منیٰ کے آداب و ذمہ داریاں یاد دلائیں، کچھ دیر بعد سو گئے کہ کل حج کے نچوڑ کا دن ہے، آج رات کی مکمل شب بیداری کل کے دن پہ اور صحت پر اثر انداز نہ ہو، پچھلے پہر اللہ نے توفیق دی آنکھ کھل گئی، منیٰ کا عجیب منظر تھا، سارا شہر بقعۂ انوار بنا ہوا تھا، عالم اسلام کچھ سوتا تھا کچھ جاگتا تھا، ہر طرف تجلیات وانوار کا ہجوم معلوم ہوتا تھا، اپنی جگہ پر رہا نہ گیا، مسجد خیف کی طرف چلے، حضرت ابراہیمؑ کی قربانی اور حضرت اسمٰعیلؑ کے صبر استقامت کی یاد بڑی شدت سے پیدا ہوئی۔ خداوندا! عشقِ ابراہیمؑ کا ایک ذرّہ عطا ہو، الٰہی مردہ دل کو اپنے عشق ومحبت سے زندہ کردے، محبت کا سوز عطا ہو جو ما سویٰ کو جلادے۔ عالم اسلام اس وقت ابراہیمؑ کی آواز پر جمع ہے اس میں محبت کی حرارت پیدا کردے کہ پھر زندہ ہو جائے، پھر تیرے لئے اپنی جان ومال کی قربانی کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ عجب سرور وحضور کا عالم تھا، عجب ذوق وشوق کا وقت تھا، مسجد خیف میں تھوڑے لوگ جاگ رہے تھے، اطمینان سے نمازیں پڑھیں، بڑی سکینت معلوم ہوتی تھی۔ صبح کی اذان ہوئی، نماز ہوئی، اور اپنی قیام گاہ پر آگئے۔ اب منیٰ سے چل چلاؤ ہے، سب کا رُخ عرفات کی طرف ہے، دن چڑھے یہاں سے چلنا ہے، ہر ایک جانے کے اہتمام میں ہے سواریوں کی بھی کشمکش ہے، یہی حج کے امتحان کے مواقع ہیں۔

لبیک لبیک کی صداؤں کے ساتھ عرفات کی طرف روانہ ہوئے، چھ میل کا فاصلہ ہے، تین میل پر مزدلفہ ملا، جہاں رات واپس آنا ہے اور شب گذاری کرنی ہے، مگر ابھی ٹھہرنا نہیں، گذرتے چلے گئے۔ لیجئے عرفات آگیا، اللہ غنی انسانوں کا ایک جنگل، جنگل میں منگل، کئی لاکھ انسان ڈوبے سلی چادروں میں، شاہ وگدا ایک لباس میں، جہاں تک نظر کام کرتی ہے خیمے اور شامیانے ہی نظر آتے ہیں،

جو نظر آتا ہے دو سفید چادروں میں، معلوم ہوتا ہے آج فرشتوں نے اللہ کی یہ زمین بسائی ہے۔ سفید براق لباس، نورانی صورتیں، ذکر سے تر زبانیں، لبیک لبیک کی صدا گونجتی ہوئی اور پہاڑوں سے ٹکراتی ہوئی۔ انسانوں کا اتنا بڑا مجمع، لیکن نہ چپقلش نہ کشاکش، روحانیت و انابت کی فضا چھائی ہوئی۔ اپنے خیمہ میں اُترے۔ جو لوگ مسجد النمرہ گئے انھوں نے امام کے ساتھ ظہر اپنے وقت میں اور عصر ظہر کے وقت میں جمع کرکے پڑھی، یہاں کا یہی حکم ہے، جو لوگ نہیں گئے انھوں نے تنہا ظہر کی نماز جماعت سے پڑھی، اور ذکر و دعا میں مشغول ہو گئے۔

"الحج عرفہ" حج عرفہ کا نام ہے، عرفہ حج کا نچوڑ ہے، یہی حج کی قبولیت کے فیصلہ کا دن ہے، یہی دعاؤں کے مقبول ہونے کا وقت ہے، یہی دل کھول کر مانگنے کی جگہ اور زمانہ ہے، اللہ کے بندے ذکر و دعا میں مشغول ہو گئے، کسی نے قرآن مجید کھولا، کسی نے حزب الاعظم شروع کی، کوئی سجدہ میں گر گیا، کسی نے اپنی منتخب دعائیں اپنی یادداشت سے پڑھنی شروع کیں، جن تمناؤں کو چھپا چھپا کر رکھا تھا آج اُن کو کھول کر پیش کر دیا، جن کو پہلے سے دعا کا سلیقہ تھا آج وہ کام آیا۔ ذکر و سلوک صحبت سب قوت دعا اور توجہ الی اللہ کو بڑھانے ہی کے لئے ہیں۔

سورج ڈھلا، دھوپ ہلکی ہوئی، کوتاہ ہمت بھی جبلِ رحمۃ کی طرف بڑھے معلم کا جھنڈا ساتھ کہ اگر چھوٹے تو شاید مکہ ہی میں ساتھیوں سے ملنا ہو۔ خیمہ سے جبل رحمت کا فاصلہ میلوں کا نہیں، مگر پورے عالم اسلام میں سے گذر کر پہونچے۔ خدا جانے کتنے ملکوں کے علاقے راستے میں آئے، ان سفید پوش، کفن بر دوش مہمانانِ دربار پر کیسا پیار آتا ہے۔ محبت کا جوش اُٹھتا ہے، اپنے حج کا پتہ نہیں، مگر دل سے یہی نکلتا ہے کہ الٰہی سب کا حج قبول ہو، آج تیری رحمت سے کوئی محروم نہ رہ جائے۔ مصریوں کا بھی، شامیوں کا بھی، مغربیوں کا بھی، یمنیوں کا بھی، ترکوں کا بھی، افغانوں کا بھی، چینیوں کا بھی اور حبشیوں کا بھی، اور ان سیاہ فام روشن دل تکرونیوں کے طفیل ہم غریب ہندیوں کا بھی۔

جبل رحمۃ پر سائلوں کا ہجوم ہے گویا بڑے پیمانے پر ملتزم کا نقشہ ہے۔ سوال و دعا کا غلغلہ بلند ہے، بھرائی ہوئی آوازیں اور گلوگیر صدائیں بیچ بیچ میں بے حس و سخت دل لوگوں کے دل میں بھی رقت اور گداز پیدا کرتی ہیں، سب اپنی اپنی دلی مراد مانگ رہے ہیں، ہر قوم و ملک کے لوگ اپنی اپنی دعا میں مشغول ہیں، ہندوستانی مسلمان جن کے دل ہندوستان کے واقعات سے چوٹ کھائے ہوئے ہیں

نرالی شان رکھتے ہیں، انھوں نے جب اپنے بھائیوں کے لئے اور اپنے اس ملک کیلئے دُعا شروع کی
جس نے سیکڑوں اولیا، محدثین و فقہا، مجاہدین و شہدا اور اپنے اپنے وقت کے امام و مجدد پیدا کئے
جس نے اس پچھلے دور میں حدیث کی امانت کی حفاظت کی، جس کے بعض بعض فرزند خدمتِ اسلام
فہم کتاب و سنّت میں سارے عالمِ اسلام میں امتیاز رکھتے تھے تو ایک سناٹا چھا گیا اور سب کی
نگاہیں اس لٹے ہوئے ہندی قافلہ کی طرف اُٹھ گئیں۔

آفتاب غروب ہوا جبل رحمۃ سے اپنے خیمہ کی طرف واپسی ہوئی، حج مبارک! اللہ تبارک وتعالیٰ
حج مقبول کے برکات ثمرات انوار و آثار عطا فرمائے، اور اس میدان میں پھر آنا نصیب کرے۔ سورج
ڈوب گیا، جہاں جہاں سورج ڈوبا سب جگہ مغرب کی نمازیں ہو رہی ہوں گی، اور جو نہ پڑھتا ہو گا،
وہ تارک صلوٰۃ ہو گا، گنہگار ہو گا، لیکن اس میدان میں جہاں اللہ کے بُلائے ہوئے مسلمان جمع ہیں
جنھوں نے آج حج کا رکن اعظم ادا کیا ہے، وہ سب یہاں مغرب کی نماز چھوڑ رہے ہیں، لاکھوں میں سے
کوئی نادان ہو گا جو مغرب کی نماز پڑھ رہا ہو گا۔ اللہ اکبر! یہی شہنشاہی کی شان ہے، جہاں چاہا
حکم دیدیا، جہاں چاہا روکدیا، اور یہی بندگی ہے۔ نماز سے بھی ذاتی تعلق نہیں، آقا کے حکم کی
اطاعت مقصود ہے، آج حکم ہے کہ مغرب کی نماز عشا کے ساتھ پڑھی جائے۔ جنھوں نے کبھی
ایک وقت کی نماز نہیں چھوڑی وہ آج خوشی خوشی چھوڑ رہے ہیں، عرفات والوں کے لئے آج
نماز کی جگہ مزدلفہ اور مغرب کی نماز کا وقت عشا کو ہے یفعل اللہ مایشاء ویحکم مایرید۔

اب لاکھوں انسانوں کی یہ بستی یہاں سے تین میل پر منتقل ہو جائے گی، شہر کا اُجڑنا اور بسنا
کچھ ہنسی کھیل نہیں، ایک شورِ قیامت برپا ہو، ایک طوفان بےتمیزی، لیکن یہاں کچھ نہیں حکم لایا تھا
حکم لے جا رہا ہے، غلاموں کی طرح آئے تھے غلاموں کی طرح جانا ہے، لیجئے خیمے اکھڑے، طنابیں
ڈھیلی ہوئیں، شامیانے تہہ ہوئے، دیکھتے دیکھتے یہ جیتا جاگتا شہر لق و دق میدان بن گیا، جو
جوان ہمت اور سواری کے پابند نہ تھے وہ آزادی سے وقت مسنون پر روانہ ہو گئے، جو ضعیف اور
عورتوں کی وجہ سے مجبور تھے ان کو سواری کی وجہ سے دقت پیش آئی اور انتظار کرنا پڑا۔ سواری کے
آنے میں دیر ہوئی، ایک گھنٹہ گذرا، دوسرا، تیسرا، رات کے ۸ بجے، ۹ بجے، ۱۰ بجے، سواری نہ اب آتی ہے
نہ تب، اب میدان میں جہاں تک نظر کام کرتی ہے ہمارے چھوٹے سے قافلہ کے سوا کوئی نظر نہیں آ

لاریاں آتی ہیں اور نکل جاتی ہیں کوئی ادھر کا رُخ نہیں کرتی، رات گذری چلی جارہی ہے، مزدلفہ میں بسر ہونے والی رات کا خاصا حصہ عرفات میں گذرا جارہا ہے، یا الٰہی کیا ہوگا، کیا ہم یہیں رہ جائینگے، کیا ہم مزدلفہ سے محروم رہیں گے، مستورات کا ساتھ، دن بھر کے تھکے ماندہ، معلم صاحب بھی عاجز و مجبور، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، پیمانۂ صبر لبریز ہونے لگا، ڈرائیور پر غصہ، معلم پر خفگی، سب بے سود۔ آدھی رات ہونے کو آئی، خدا خدا کرکے لاری آئی، تیوری چڑھی، تلخ و تند لہجہ میں ڈرائیور سے محاسبہ کیا کہ کہاں اتنی دیر لگائی، کیا حجاج کو اذیت دینا تم لوگوں کے نزدیک کارِ ثواب ہے؟ اس نے آسانی سے کہدیا کہ راستہ صاف نہ تھا، گھنٹوں میں پہلی کھیپ پہونچی اور بمشکل واپسی ہوئی، کہکر افسوس ہوا، کاش زبان سے کچھ نہ کہا ہوتا، اللہ کا شکر ادا کیا ہوتا کہ اس نے آخر پہونچا دیا، اب بھی اگر لاری نہ آتی تو کیا کرتے، یہی فرق ہے بڑوں اور چھوٹوں میں!۔

عرفات اور مزدلفہ کے درمیان خدا کی شان نظر آتی ہے، موٹروں اور لاریوں کا ایک سیلاب، اتنا بڑا سیلاب زندگی بھر نہیں دیکھا، سب کو پہونچنے کی جلدی مگر کوئی حادثہ نہیں، لیجئے مزدلفہ پہونچ گئے، ایک میدان میں کئی لاکھ مسافر اُترے ہوئے، اطمینان کی جگہ کا کیا سوال، جہاں موقع مل جائے غنیمت ہے، ایک جگہ سامان جمع کرکے درمیان میں لیٹ رہے، کچھ دیر کے بعد آنکھ کھلی سارا میدان جگمگا رہا تھا، مزدلفہ ہنستا ہوا معلوم ہوتا تھا، کیا خیر و برکت کی رات ہے، جو وقت ملجائے غنیمت ہے۔ لوگوں نے صبح سے پہلے ہی روانہ ہونا شروع کردیا، ناواقفیت اور جہالت اور اسی کے ساتھ جلدبازی بھی ایک مصیبت ہے، یہاں کی سنت صبح ہونے کے بعد یہاں سے چلنا ہے، مگر لوگوں کو منیٰ میں جلد پہونچنے کی ہیبت اور لاری والوں کو بیگار ٹالنا، تاریکی اور ناواقفیت میں مشعر حرام کا تو پتہ نہ چل سکا جہاں دعا کرنا مسنون ہے اور قرآن مجید میں صاف طور پر ہے "فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام" جب اُجالا ہوگیا تو پتہ چلا اور اس مسجد میں جاکر جو جبل قزح کے پاس ہے کچھ دیر دُعا کی، پھر کنکریاں چنیں اور ساتھ لیں اور منیٰ کیطرف روانہ ہوئے۔

ایک دن کا اُجڑا منیٰ اللہ کے حکم سے پھر آباد ہے، آج دسویں ذی الحجہ ہے یعنے عین عیدالاضحیٰ، آج تمام روئے زمین پر جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں یہیں کی یادگار کے طور پر عید کی نماز پڑھی جارہی ہوگی، لیکن اللہ کی شان یہاں عید کی نماز نہیں، کسی کو خیال بھی نہیں، منیٰ کی

عید یہی ہے کہ رمی کی جائے، قربانی کی جائے، بال منڈائے یا کترائے جائیں، احرام کھول دیا جائے، طوافِ زیارت کیا جائے، لیجئے حج تمام ہوا اللہ قبول کرے۔

منیٰ پہونچ کر پہلا مرحلہ یہ تھا کہ جمرۃ العقبہ کی رمی کی جائے یعنی کنکریاں ماری جائیں، روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جب حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے چلے، تو شیطان سب سے پہلے اس جگہ ملا اور اس نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا، حضرت ابراہیمؑ نے اس کو سات کنکریاں ماریں، یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا۔ آگے بڑھ کر پھر دوسرے جمرہ کی جگہ نظر آیا، وہاں بھی سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ زمین کے اندر گھس گیا، پھر جمرۂ اولیٰ کی جگہ نظر آیا، پھر اس کے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ زمین میں گھس گیا۔[1] حضرت ابراہیمؑ نے ہر عمل پیغمبرانہ اخلاص اور عاشقانہ کیفیت کے ساتھ کیا تھا، وہ اللہ سے پہلے مانگ چکے تھے کہ

وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ — میرا ذکرِ خیر پچھلوں میں باقی رکھ۔

اور فرما دیا گیا تھا

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ۔ (والصفٰت ـ ع ـ ۳) — ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں باقی رکھا سلام ہو ابراہیمؑ پر۔

اس لئے اللہ نے ان کے ہر فعل کو زندگی جاوداں بخشی اور اس کی یادگار باقی رکھی۔ آج ان افعال کی نقل میں بھی عشق کی کیفیت اور زندگی و تازگی ہے بشرطیکہ دل محبت و عظمت اور ایمانی کیفیات سے بالکل خالی نہ ہو، حج کی ہر چیز میں عاشقانہ کیفیت اور محبوبانہ ادا ہے، سعی و طواف تو عشق و جذب کی کھلی نشانیاں ہیں مگر یہ رمی (کنکری مارنا بھی) عجب پیاری ادا ہے، عاشقیت و محبوبیت توام ہیں سچے عشق کے ساتھ جو چیز کی جائے گی اس پر اہلِ دل کو پیار ہی آئے گا۔ رمی کرتے وقت اگر دل میں سیدنا ابراہیمؑ کی محبت، اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کا جذبہ اور اپنے دشمنِ حقیقی سے نفرت کا جوش ہو تو رمی عجب بہار کی چیز ہے، عجب عبادت ہے، اور اگر یہ کیفیات اتفاقاً نہ ہوں، یا ان کا استحضار نہ ہو تو بھی حکمِ الٰہی کی اطاعت کسی حال میں فائدہ سے خالی نہیں۔

---

[1] صحیح ابن خزیمہ۔

رمی جمرات کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں پڑھی تھی، اس کے مقاصد و حکم حج کے سفرناموں میں دیکھے تھے لیکن اس کا صحیح تصور اور نقشہ ذہن میں بالکل نہ تھا۔ جمرات کی کیا صورت ہے؟ رمی کس طرح ہوتی ہے کچھ اندازہ نہ تھا۔ منیٰ پہونچ کر رمی کی فکر ہوئی، دوستوں میں جو لوگ پہلے سال حج کر چکے تھے ان کو لیکر جمرہ اخری پر پہونچے، آج دسویں کو صرف اسی جمرہ کی جو سب سے آخر میں ہے رمی کرنی ہے، رمی کرنے والوں کا ہجوم تھا، ایک حوض سا بنا تھا اس کے اوپر ایک لکڑی لگا رکھی گئی تھی تاکہ دُور والوں کو اندازہ ہو سکے، حوض میں کنکریوں کا ڈھیر تھا، بعض لوگوں نے غصہ میں جوتے بھی مارے تھے، بعض سادہ دل لوگوں میں شیطان سے نفرت و عداوت کا وہی جذبہ تھا جو اپنے دشمن سے ہوتا ہے، بعض مصریوں کو سنا گیا کہ بڑے غصہ سے مارتے تھے اور کہتے تھے کتے پھر پریشان کرے گا، پھر گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا!۔

مجمع بہت تھا، اگر کوئی نظم کیا بھی جاتا تو مشکل تھا، کام صرف کنکریاں پھینکنا تھا مگر اس عمل میں بھی ایک خاص سنجیدگی اور عبادت کی شان تھی، اہلِ ذوق کو اس میں بھی خاص حظ اور کیف محسوس ہو رہا ہوگا۔

زوال سے پہلے پہلے الحمدللہ رمی سے فارغ ہو گئے، تلبیہ موقوف ہو گیا، اب قربانی کا مرحلہ باقی تھا، احرام کھولنا اس پر موقوف تھا۔ مذبح میں جانور کا تلاش کرنا، طے کرنا اور قربانی کرنا آسان کام نہ تھا، یہ بھی حج کے مجاہدات میں سے ہے، الحمدللہ یہ مرحلہ بھی آسان ہوا، بال منڈوائے اور احرام اُتار دیا۔

ابھی حج کا ایک رکن باقی تھا، وہ طوافِ زیارۃ ہے، دسویں ہی کو عصر کے وقت مکہ معظمہ گئے مکہ معظمہ کی بڑی آبادی آج منیٰ میں تھی اور ابھی دو تین دن رہے گی، جو لوگ نظر آ رہے تھے اکثر طوافِ زیارۃ کے لئے حاضر ہوئے تھے پھر بھی مطاف خالی نہ تھا اگرچہ پہلے کا سا ہجوم نہ تھا، ہم نے سعی طوافِ قدوم کے ساتھ کر لی تھی اس لئے آج سعی کرنی نہ تھی[1]۔ طواف سے فارغ ہو کر منیٰ واپس آ گئے۔

اب یہاں کی ہر رات اور ہر دن حاصلِ عمر ہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ایک ایک گھڑی

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں کتب مناسک۔

غنیمت سمجھیں اور غفلت کا کوئی لمحہ گذرنے نہ دیں۔ یہی دن ہیں جن کے متعلق قرآن مجید میں صراحۃً حکم ہو۔

فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (البقرہ۔ع۔۲۵)

پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام تو یاد کرو اللہ کو جیسے یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے زیادہ یاد

اور آگے فرمایا، کہ

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ (البقرہ۔ع۔۲۵) اور یاد کرو اللہ کو کئی دن گنتی کے

اس لئے یادِ الٰہی میں جتنا انہماک اور عبادت میں جتنی مشغولیت ہو کم ہے، مگر افسوس کہ اس کا حق بالکل ادا نہ ہو سکا اور اس میں شدید کوتاہی رہی، بے تکلف دوستوں کا مجمع، کھانے پینے کی بہتات، عمر بھر کی غفلت کی عادت، بڑا وقت ہنسنے بولنے اور کھانے پینے میں گذر جاتا، ناظرین کرام سے کہنے کا جی چاہتا ہے، کہ ؎

من نکردم شما حذر بکنید

یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ بہت سے حجاج نے اس قیمتی اور مختصر وقت کے اندر ہی جہازوں کی تحقیقات اور سفر کے منصوبے شروع کر دیئے، جو وقت قیام سے فائدہ اٹھانے میں گزرنا چاہئے تھا وہ سفر کے دھیان اور تصور میں گزرنے لگا۔

ان دنوں میں کھانا پینا اور خصوصاً قربانی کا گوشت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت سمجھ کر اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس ارشاد کو پیشِ نظر رکھ کر کہ "ھذہ ایام اکل وشرب" یہ کھانے پینے کے دن ہیں، ثواب اور عبادت سے خالی نہیں، یہ بھی اچھی طرح مشاہدہ اور تجربہ کیا ہو کہ اس ارشاد کو سامنے رکھ کر کھانے پینے سے کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔

تیرھویں تک ٹھہرنا ہے، دن میں حج کے سلسلہ کا ایک ضروری کام یہ ہے کہ رمی روزانہ کیجائے پہلے دن (دسویں کو) صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کی گئی تھی، اب جمرات ثلٰث کی رمی روزانہ ہوگی، دسویں کو زوال سے پہلے پہلے رمی مسنون ہے، اور گیارھویں، بارھویں، تیرھویں کو (اگر تیرھویں کو ٹھہرنا ہو) زوال کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر رمی کا حکم ہے، اوّل جمرۂ اولیٰ کی (جو مسجد خیف کے متصل ہی) پھر جمرۂ وسطیٰ کی پھر جمرۂ اخریٰ کی[1]

[1] رمی کے مفصل احکام و آداب کتب مناسک میں دیکھے جائیں۔ ۱۲

تیرھویں کو منیٰ سے جانے کا عزم ہے، ان دنوں میں بشدت اس کا احساس ہوتا ہے کہ منیٰ کے کم سے کم یہ تین دن دینی دعوت اور تعلیم و تربیت کے مغتنم ترین دن ہیں جو مجموعی طور پر عالم اسلام کو اتنے بڑے پیمانے پر کبھی میسر نہیں آسکتے، عالم اسلام کا ایک بہترین نمائندہ مجمع جو راہِ خدا میں نکلا ہوا ہوتا ہے جس میں اتنے دنوں کے مجاہدہ، تعلقات و مشاغل سے انقطاع، فاسد ماحول سے بے تعلقی، حج کے انوار و تاثیرات کی وجہ سے دین کے جذب و قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو چکی ہوتی ہے اور دین و عبادت ہی کے لئے اس کا قیام ہوتا ہے اگر اس وقت سے فائدہ اٹھایا جائے تو برسوں کا کام چند دنوں میں، اور ہزاروں میل کا سفر ایک مختصر سے رقبہ میں طے ہو جائے۔ ایک جہاز پر اگر ایک ملک یا چند صوبوں کا قافلہ ہوتا ہے اور اس کے اوقات دین اور علم دین کیلئے فارغ ہوتے ہیں تو منیٰ کے میدان میں پورے عالم اسلام کا کارواں اترا ہوا ہوتا ہے اور دین کیلئے فارغ۔

مگر صد حیف کہ ایسی فرصت سے دینی تعلیم و تربیت اور اسلامی دعوت کا فائدہ قطعاً نہیں اٹھایا جاتا، ہماری دینی زندگی کی چول اپنی جگہ سے ایسی ہٹی ہوئی ہے کہ کسی چیز سے بھی ہم فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ صرف منیٰ کے قیام کے یہ دن اور حجاج کا یہ مجمع ایسا تھا کہ اس سے پورے عالم اسلام میں دین کی روح پھونکی جا سکتی تھی اور دعوت کا جذبہ پیدا کیا جا سکتا تھا، یہ مجمع ایک بادِ بہاری تھا جو سارے عالم میں دینی دعوت و اصلاح کے بیج بکھیر سکتا تھا اور دین کے ہزاروں چمن کھلا سکتا تھا پچاس حکومتیں، ہزار انجمنیں، سیکڑوں اخبارات و رسائل، لاکھوں مبلغ و داعی وہ کام نہیں کر سکتے جو منیٰ کی ایک منظم دعوت اور ایک تربیت یافتہ جماعت کر سکتی ہے، پہلے یہ سب حج کے ثمرات و منافع میں داخل تھا، "یشھدوا منافع لھم" کا مفہوم اتنا تنگ نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے امت کو جو آخری عالمگیر وصیت فرمائی ہے وہ عرفات و منیٰ کے میدان ہی میں فرمائی، عرفات و منیٰ کا مخاطب مجمع ہی اس کی صلاحیت رکھتا تھا کہ فرمایا جاتا:۔

لیبلغ الشاھد الغائب	دیکھو جو موجود ہے وہ میری یہ باتیں اُن تک پہنچا دے
فرب مبلغ اوعی من سامع	جو یہاں موجود نہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو بالواسطہ سنتا ہے
( )	وہ اپنے کانوں سے سننے والے سے زیادہ سمجھنے والا اور یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔

حج ہی کے موقع پر سورۂ برأت کی ابتدائی آیات اور مشرکین کے احکام کا اعلان ہوا حج ہی کے موقع پر ایک خلقت نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے براہِ راست دین کی تعلیم حاصل کی، حج ہی کے موقع پر بلاد و امصار کے طالب علم دین سیکھنے، احکام معلوم کرنے، حدیث سننے جمع ہوا کرتے تھے، حج آج بھی عالم اسلام میں زندگی کی لہر پیدا کر سکتا ہے، مسلمانوں میں دینی شعور اور اپنی ذمہ داری کا احساس پیدا کرا سکتا ہے، حج ہی کے ذریعہ اس بھٹکے ہوئے قافلہ کو اپنی گم کردہ منزل نظر آ سکتی ہے اور معمارِ حرم کو "تعمیرِ جہاں" کا بھولا ہوا کام یاد آ سکتا ہے، حج اصلاح و انقلاب کی ایک عظیم الشان طاقت ہے مگر ہماری کاہلی اور نادانی سے یہ طاقت بہت کچھ ضائع ہو رہی ہے، ہر سال ضائع ہوتی ہے اور بر سہا برس سے ضائع ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات میں کمی نہیں مگر ہماری طرف سے ناقدری میں بھی کمی نہیں، اگر کسی زندہ اور صاحبِ عمل قوم کو یہ موقع حاصل ہوتا اور اس کو ہر سال بلا کسی جدوجہد اور مادی ترغیب کے محض دینی کشش اور اخروی نفع کی بناء پر یہ عالمگیر اجتماع میسر ہوتا تو وہ تمام عالم میں انقلاب کر سکتی تھی اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنا پیغام پہونچا سکتی تھی، دنیا کی بہت سی قومیں جو نبوت اور وحیٔ الٰہی کی عطا کی ہوئی دولتوں سے محروم ہیں، حج کے اس بین الاقوامی اجتماع کو جس میں ہر حصۂ زمین سے آئے ہوئے لاکھوں مسلمان اپنا خرچ کرکے اور راستہ کی صعوبتیں برداشت کرکے اپنے شوق سے جمع ہوتے ہیں، رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھتی ہیں ان کو اپنی چھوٹی چھوٹی مجلسوں کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کرنے پڑتے ہیں، طاقت و پروپیگنڈا کرنا پڑتا ہے، پھر بھی کامیابی نہیں ہوتی، اس لئے کہ ان کے ساتھ دینی کشش اور روحانی جذب نہیں، لیکن مسلمانوں کو اس مفت کی دولت کی قدر نہیں۔

تعلیم و تربیت، دینی تذکیر و دعوت، حج کا ضمنی اور ثانوی فائدہ ہی لیکن کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، خصوصاً اس عہد میں کہ اس کی ضرورتیں بیحد بڑھ گئی ہیں۔ اگر کسی ایک ملک کے مسلمانوں میں بھی کسی درجہ کا عزم اور نظم پیدا ہو جائے، اور اس کام کے لئے وہ ضروری تیاری کر لیں۔ مخلص، دردمند، صاحبِ علم داعی کسی تعداد میں بھی فراہم ہو جائیں اور عالمِ اسلام کی دو چار زبانوں خصوصاً عربی پر اتنی قدرت حاصل ہو کہ وہ اس میں دعوت کا کام انجام دے سکیں، ان کے پاس دعوت کا ضروری سامان بھی ہو، عالمِ اسلام کے لئے پیغام، اس کے اصل امراض و مصائب اور

ان کا صحیح علاج، دین کی طرف بازگشت کی دعوت، امت کی نشأتِ ثانیہ کا راستہ، امت کا اصل محل و مقام، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت اور اس امت کے ظہور کا مقصد، اسلام اور عالمِ انسانی کا رشتہ، آخرت کی دنیا پر ترجیح، صحابۂ کرامؓ اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے حقیقی اوصاف و اخلاق۔

ان مضامین پر خود بھی تیار ہوں اور ان کے پاس ان حقائق کو ذہن نشیں کرنے کے لئے اور بعد تک یاد دہانی کرتے رہنے کے لئے مختصر رسائل و مطبوعہ مضامین بھی ہوں، ایک ایسی جگہ بھی ہو (عارضی) جہاں وہ منتخب لوگوں کو بیٹھنے، گفتگو کرنے اور مطالعہ کرنے کی دعوت دے سکیں اس لئے کہ اتنے وسیع اجتماع میں وہ ہر جگہ نہیں پہونچ سکتے، دینی زندگی پیدا کرنے کے لئے اُن کے پاس ایک نظامِ عمل بھی ہو جس کا تجربہ ہر ملک میں کیا جا سکے، تو منیٰ کے اس سہ روزہ قیام سے محیر العقول فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔

دوسرے ممالک کے علاوہ خود ہندوستانی حجاج کی ہزاروں کی تعداد ملے گی جس کے پاس وقت گذارنے کے لئے لایعنی باتوں یا فرائض کے بعد کھانے پینے کے سوا کوئی مشغلہ نہیں، ان میں بہت بڑی تعداد دین کے ابتدائی اصول و ارکان سے اگر ناواقف نہیں تو غافل ضرور ہو گی، اور کم سے کم انکی دعوت و تذکیر اور ان کے احیاء و ترویج کے لئے جد و جہد سے ضرور غافل ہے، ان سب کو اس کی طرف متوجہ کرنا بہت بڑا کام ہے، اور اس کام کے لئے منیٰ اور مکہ معظمہ سے بہتر موقع نہیں مل سکتا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس کام میں سو فی صدی بلکہ شائد پچاس فی صدی کامیابی بھی یقینی نہیں، داعیوں اور کارکنوں کی کمی، اُن کی بے سروسامانی، مجمع کا پھیلاؤ، وقت کی قلت، انتشار و پراگندگی، ناواقفیت و اجنبیت، یہ اور بہت سی چیزیں جو تجربہ کے بعد علم میں آئیں گی کامیابی کے راستے میں حائل ہیں لیکن اگر اس عظیم الشان کام میں دس فی صدی کامیابی کا بھی امکان ہو بلکہ سرے سے کوئی امکان نہ ہو تو بھی ہر قیمت پر یہ سودا سستا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کی اس میں قوی امید اور جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مکی زندگی سے قریبی نسبت ہے۔

گر ایں سودا بجاں بودے چہ بودے

کاش اس کو مسلمان اپنی ضروریات کی فہرست میں شامل کر لیتے، کاش! اس کے لئے کچھ اہلِ ہمت کچھ اہلِ توفیق تیار ہو جاتے، کاش! ہمارے یہ معروضات دلوں میں کچھ آمادگی پیدا کر سکتے۔

آیئے منیٰ کے اس قیام سے فائدہ اُٹھائیں اور ذرا دیر کے لئے عقبہ چلیں جہاں مدینہ کے انصار پوں نے پہلے پہل حضورؐ کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی اور اس کی حمایت و نصرت کا عہد کیا، اور جہاں حقیقۃً ہجرت اور مدنی زندگی کی داغ بیل پڑی، اسلام کی تاریخ میں اور عالمِ اسلامی کے طویل و عریض رقبہ میں یہ چند گز زمین بڑی حرمت و قیمت رکھتی ہے، سچ پوچھئے تو بدر کی فتح کا سنگ بنیاد یہیں رکھا گیا، تاریخ اسلام کا افتتاح یہیں ہوا، عالمِ اسلام کی تاسیس یہیں عمل میں آئی، یہی وہ موقع ہے جہاں اللہ کے نبیؐ سے جو سارے حج کے مجمع سے مایوس ہو رہا تھا یثرب کے بارہ آدمیوں نے چھپ کر بیعت کی اور اپنی خدمات پیش کیں، اگلے سال اسی جگہ ۷۳ مرد اور ۲ عورتوں نے بیعت کی اور حضورؐ کو اہلِ مدینہ کا پیامِ شوق پہونچایا اور مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضورؐ نے فرمایا، کیا تم دین کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے اور جب میں تمہارے شہر میں جا بسوں کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل و عیال کی مانند کرو گے۔ مدینہ والوں نے پوچھا، ایسا کرنے کا معاوضہ ہم کو کیا ملے گا۔ فرمایا، بہشت!۔ اہلِ مدینہ نے دریافت کیا کہ اے خدا کے رسولؐ ہماری تسلی فرما دیجئے کہ حضور ہم کو کبھی چھوڑ تو نہ دیں گے۔ فرمایا، نہیں! میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اس پر ان حضرات نے بڑے جوش و سرور کے ساتھ بیعت کی۔

یہ جگہ منیٰ اور مکہ کے راستہ میں ہے اور جمرۂ اخریٰ سے کچھ دور نہیں، آپ اس سے آتے جاتے گزرے ہوں گے، اب اس جگہ مسجد بنی ہوئی ہے، مکروہ وقت نہیں ہے آیئے ہم بھی دو چار رکعت نفل پڑھیں، اس جگہ اللہ کے بہت سے مخلص بندوں نے اپنے مالک سے بندگی کا عہد و پیمان تازہ کیا اور اپنے رفیقوں کے ساتھ اسلام کی خدمت و نصرت کا عہد کیا[1]۔ آیئے ہم بھی اللہ سے دُعا کریں کہ ہم کو اسلام کی خدمت، اعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش اور سنتِ نبویؐ کے احیاء کی جد و جہد کیلئے قبول فرمائے، اور ان صادقین کے طفیل صدق و اخلاص کی دولت سے کوئی حصہ عطا فرمائے۔

آج ذی الحجہ کی تیرھویں ہے اور منیٰ کے قیام کا آخری دن، عارضی آبادی کا ایک حصہ کل جا چکا باقی آج جا رہے ہیں، خیمے اکھڑ رہے ہیں، شامیانے لپیٹے جا رہے ہیں، سامان بار ہو رہا ہے،

---

[1] حضرت سید احمد شہیدؒ نے بھی اپنے حج کے موقع پر اس جگہ دین کیلئے سرفروشی و جانبازی پر اپنے ساتھیوں سے بیعت لی تھی اور ×

× اللہ سے عہد کیا تھا۔ ۱۲

منیٰ پر آخری نگاہ ڈالئے، اور مکۂ معظمہ کا رُخ کیجئے۔ یہ ہے نام اللہ کا۔

کل شیٔ ھالک الا وجھہ لہ الحکم والیہ ترجعون۔

مکۂ معظمہ میں داخل ہوگئے، حرم میں نماز پڑھئے اور طواف کیجئے، بیت اللہ کو دیکھئے اور دیکھتے رہیئے، ہر وقت اس کا نیا جمال، اور نئی شان ہے۔ ؎

کعبہ را ہر دم تجلّی می فزود

ایں ز اخلاصات ابراہیم بود

اتنے دن سے اس کو دیکھ رہے ہیں مگر جی نہیں بھرتا، نگاہ نہیں تھکتی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اُس ذاتِ عالی کے جمالِ جہاں آرا کا کیا حال اور اس دید کی کیا مسرّت ولذّت ہوگی۔

آپ بے شک حج سے فارغ ہوگئے، اللہ تعالیٰ آپ کے لئے اور آپ کے اعزّہ و دوستوں اور سب مسلمانوں کے لئے مبارک فرمائیے اور آپ کو بار بار لائے، مناسکِ حج میں سے کوئی رکن، کوئی فریضہ اور واجب باقی نہیں رہا، آپ آج اگر حرم سے چلے جائیں تو کوئی فقیہ آپ کو ٹوک نہیں سکتا، آپ کا حج مکمل، مناسک سب تمام، لیکن یہاں سے جانے کی ایسی عجلت کیوں ہے، یہاں کا قیام آپ پر خدانخواستہ بار کیوں ہونے لگا، اعزّہ کی یاد مسلّم، وطن کی کشش برحق، دوستوں اور عزیزوں کی ملاقات سر آنکھوں پر، لیکن یہاں جو لمحہ گزر جائے غنیمت اور حاصلِ زندگی، مجبوری کی بات اور ہے مگر اپنی طرف سے جلد سے جلد چلے جانے کا اہتمام اور وطن کا اتنا شوق کہ پَر لگ جائیں اور اُڑ کر پہونچ جائیں، اتنی بے مروتی سمجھ میں نہیں آتی۔ اپنے لئے طواف کیجئے، اپنے مرحوم عزیزوں، دوستوں، استادوں، محسنوں، رفیقوں اور ساتھیوں کے لئے کیجئے۔ تنعیم جائیے اور عمرہ لائیے، زمزم سے خوب سیراب ہوجئے، حرم شریف میں نمازیں پڑھئے اور ہر نماز پر لاکھ نمازوں کا ثواب پائیے، قرآن مجید کی تلاوت کیجئے، ہمت ہو تو غارِ حرا کی زیارت کیجئے، فرصت ہو تو غریب محلّوں اور تکرونیوں کی آبادیوں میں جا کر ان کی دینی حالت دیکھئے ان سے خود استفادہ کیجئے اور اگر آپ سے کوئی دینی فائدہ پہونچ سکے تو اس سے دریغ نہ کیجئے، مکۂ معظمہ کے اہلِ علم وفضل سے ملاقاتیں کیجئے، حرم میں اب حجاج کا ہجوم نہیں، حجر اسود کا باطمینان استلام کیجئے، رکنِ یمانی کے پاس حطیم کے اندر مقامِ ابراہیمؑ پر شوق سے نوافل پڑھئے، غرض جتنے ارمان باقی رہ گئے ہوں سب نکالئے اور سب شوق پورے کیجئے۔

اب اگر صدائے رحیل بلند ہو گئی اور جانا ٹھہر گیا تو طوافِ وداع کر لیجئے اور بیت اللہ اور حرم شریف سے رخصت ہو جئے۔ جدہ میں اگر جہاز میں اتفاقاً دیر ہو اور آپ مکہ معظمہ واپس نہ آسکیں تو ان حجاج میں جو جہازوں کے انتظار میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور کسی طرح وقت گزاری کر رہے ہیں چل پھر کر اور مل جل کر پھر دینی ضروریات و احکام کی طرف متوجہ کیجئے، اور خصوصیت کے ساتھ حج کے برکات کی حفاظت اور اس کے حقوق کی ادائگی کی طرف متوجہ کیجئے مگر خود ان کے حقوق اور ان کے احترام کا لحاظ رکھتے ہوئے، آپ اگرچہ حج میں ان کے شریک ہیں مگر اس سے ان کے حج کا احترام آپ کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا، کسی کلمہ سے ان کی تنقیص یا ان کی دل آزاری نہ ہو۔

جہاز تیار ہے، بسم اللہ کر کے سوار ہو یئے، واپسی ضرور ہے، سفر بے شک وطن کی طرف ہی لیکن یہ یاد رہے کہ واپسی اللہ کے گھر سے ہے اور آپ حج کی ذمہ داریوں کے ساتھ واپس ہو رہے ہیں۔ نمازوں کا اہتمام، ذکر میں مشغولیت، رفیقوں کا خیال، ساتھیوں کے لئے ایثار کا جذبہ، اپنی کوتاہیوں پر ندامت و استغفار، پہلے سے زیادہ ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کی دینی خدمت و رفاقت کا موقع دوبارہ عطا فرمایا ہی پھر اس موقع سے فائدہ اُٹھائیے اور اپنے حج کو قیمتی بنائیے۔

اچھا اب رخصت، یہ نوشتہ کیا عجب ہے کہ ہم سے زیادہ خوش قسمت ہو کہ سفر حج میں آپ کے ساتھ ہوا اور حرمین میں اس کو آپ کی رفاقت کی سعادت حاصل ہو، اور خدا کی قدرت و رحمت سے بعید نہیں کہ آپ کو اس سے کچھ کام کی بات ہاتھ آجائے، اگر یہ نہ ہو تو بھی ایک ادنیٰ و نااہل رفیق کا یہی حق ہوتا ہے، حجاج کو اپنے اس سامان سے بھی انس ہو جاتا ہے جو اس سفر سعادت میں ساتھ ہو، یہ بھی نہیں، تو اخوت اسلامی کا حق ضرور ہے، ان حقوق کی بناء پر اور بغیر کسی حق کے موجہ اللہ یہ درخواست ہے کہ راقم سطور، اس کے والدین، اعزہ و احباب محسنین، اور اس نمبر کے مرتب و معاونین کے لئے مواقع قبولیت پر دُعا فرمائی جائے۔ ~

غرض نقشیست کز ما یاد ماند   کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے زرحمت   کند بر حالِ این مسکین دعائے

نامۂ شوق

یہ ایک صاحبِ دل کے خطوط اپنے ایک خادم کے نام ہیں جو مدینہ طیبہ حاضر ہوا تھا، ان سے اندازہ ہوگا کہ اہلِ محبت وہاں کی حاضری کو کیسی دولت سمجھتے ہیں! اور اپنے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ "مدیر"

(۱)

بعد سلام مسنون! پرچہ پہنچا، روانگی سے قبل ملاقات کو تو بندہ کا بھی دل چاہتا ہے مگر وقت تنگ رہ گیا، یہاں تشریف لانا ایسے تنگ وقت میں دشوار ہوگا۔

آپ نے یہ نہیں لکھا کہ روانگی کس وقت ہے، بہرحال اگر ملاقات نہ ہوسکے تو اولاً اپنی تمام تقصیرات اور بے عنوانیوں کی معافی چاہتا ہوں، ثانیاً ؎

جاتے ہو تو جاؤ پر اتنا تو سن جاؤ!
یاد جو آجائیں تو مرنے[۱] کی دعا کرنا

بارگاہِ رسالت پر پہونچکر اگر یاد آجائے تو یہ الفاظ بھی عرض کر دینا "ایک روسیاہ ہندی کتے نے بھی سلام عرض کیا تھا،" اگر ایک دو طواف بھی اس ناکارہ کی طرف سے کر دیں تو آپ جیسے کریم جفاکش حضرات سے اُمید ہے کہ بار نہ ہوگا، یہی چیزیں اس ناکارہ اور نااہل کے لئے اعلےٰ تبرکات ہیں، کسی تبرک کے لانے کا ہرگز ہرگز ارادہ نہ کریں، اُس کا نعم البدل میں نے تعلقات کی قوت کے زور میں خود ہی تجویز کر دیا کہ مجھے زمزم وغیرہ تبرکات کی بہ نسبت دُعا اور طواف کی مسرت بھی زیادہ ہوگی اور احتیاج بھی زیادہ ہے۔ (والسلام)

---

[۱] کس پر یہ کیا بتاؤں۔ ۱۲

(۲)

ہمارا نام لیکر آہ بھی ایک کھینچیو قاصد!
جو وہ پوچھیں تو کہدینا یہ پیغام زبانی ہے

بعد سلام مسنون! کراچی سے دو گرامی نامے پہونچے اوّل مفصل نامہ لفافہ اور پھر مختصر کارڈ، مگر وہاں جواب کا وقت نہ تھا۔ آپ نے اس ناپاک کی معیت و رفاقت کی آرزو کی مگر یہ نجس العین اس پاک خطہ کے قابل کہاں، دو مرتبہ حاضری ہوئی مگر ایک طاہر و مطہر ہستی تھی جسکے پیچھے تطہیر بھی لگ گیا بلکہ حکماً لگا لیا گیا، اب کوئی پاک ہستی ایسا سمندر نظر نہیں آتا جس میں ہر قسم کی غلاظت مغلوب ہو جائے۔ فیا حسرتا! آپ نہ معلوم کس مغالطہ میں ہیں اپنی حالت ؎

وکان ظنی بان الشیب یرشد نی اذا اتی فاذا غیّی بہ کثرا

بلکہ ؎

کنت امرأ من جند ابلیس فارتقی بی الدھر حتی صار ابلیس من جندی
فلو مات قبلی کنت احسن بعدہٗ طرائق فسق لیس یحسنہا بعدی

ہے۔ اس تعلق اور محبت کے واسطے سے جو آپ کو اللہ رب العزت کی ستاری کی وجہ سے اس ناپاک سے محض مغالطہ کی وجہ سے رہا ہے درخواست ہے کہ مبارک مہینہ میں، مبارک راتوں میں، مبارک جگہ میں، اگر دعا سے دستگیری فرمادیں تو وہ پاک ذات وہ مقلب القلوب قادر مطلق جو حُجّاج کو عمر بنادے اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک ناپاک کو پاک بنادے اور بدکار کو نیک کار کردے۔ ؎

چشمۂ فیض سے اگر ایک اشارا ہو جائے
لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

عمر ختم ہوتی جارہی ہے ظاہری طور پر وقت قریب آتا جارہا ہے، اور حالت یہ ہے۔ ؎

آئی تھی کچھ لینے کیلئے اور بھول چلی کچھ اور
کیا دکھاؤں گی اپنی پہیہ نے میری خالی دونوں ہاتھ

دیتے ہیں موئے سفید افسوس پیغام اجل
نفس سنتا ہی نہیں ہر چند کہتا ہوں سنبھل

اپنی حالت کو کہاں تک روؤں اور اس منافقانہ تحریر سے آپ کے مبارک اوقات کو کہاں تک ضائع کروں، یہ سطریں اس اُمید پر لکھی ہیں کہ آپ کے دل پر کچھ چوٹ لگے تو آپ اس پاک دربار میں کچھ عرض کر سکیں جس کی پاک جوتیوں کے ذرّے لو اقسم علی اللہ لابرہ کے مصداق ہیں بہت ادب سے صلوٰۃ و سلام کے بعد عرض کر دیں کہ اس ناپاک کا سلام اس پاک دربار کے ہرگز قابل نہیں لیکن تم رحمۃ للعالمین ہو اس ناپاک کیلئے تمہاری نظر رافت کے سوا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ ؎

نہ آخر رحمۃ للعالمینی

زمحروماں چرا غافل نشینی

یہ بھی عرض کر دیں کہ کچھ عرض کرنے کا منھ نہیں اس لئے کیا عرض کروں۔ رفقاء سفر سے بھی یہی درخواست ہے والدہ ماجدہ کی خدمت میں بھی سلام مسنون کے بعد دعا کی درخواست کر دیں۔ حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہ کی قبر پر بھی سلام کے بعد عرض کر دیں۔ ؎

مضیٰ زمن والناس یستشفعوننی

فہل لی الیٰ لیلی الغداۃ شفیع

آخر میں مکرر دُعا کی درخواست ہے، رسمی بات نہیں بڑا ضرورت مند ہوں۔

---

(۳)

روضۂ اقدس واطہر پر ایک ناپاک کی طرف سے صلوٰۃ وسلام!

ہر چند کہ ماہِ مبارک میں خط لکھنے کا نہ تو وقت ہی ملتا ہے نہ معمول ہے، مگر یہ چند سطور محض اس وجہ سے کہ اگر ماہ مُبارک میں آپ حضرات تک پہونچ گئے اور کسی کے دل سے کوئی کلمۃ الخیر سی جذبہ سے نکل گیا تو وہ بہت سی مشغولیتوں سے بڑھ کر ہو جائے گا آپ حضرات بھی اسوقت سخت ترین مشغول ہوں گے کہ یہاں اس مبارک مہینہ کی ابتدا ہے اور وہاں عریضہ پہونچنے پہونچتے مہینہ کا اختتام واُمحاق شروع ہو جائے گا اور آپ کے لئے ایسے وقت میں کسی اجنبی کا بولنا بات کرنا بھی گراں ہو رہا ہو گا، ایسے وقت میں اتنا بھی بہت زیادہ ہے جو میں لکھ چکا۔ کس قدر قابلِ رشک ہے ایسے مبارک اوقات میں آپ حضرات کا وہاں کا قیام ایسی حالت میں دور افتادوں کو

اگر آپ شریک فرما سکتے ہیں تو دعا سے کیا اس میں بھی آپ حضرات کو بخل ہو گا۔ روضۂ اطہر پر صلوٰۃ و سلام کی ہر صاحب کی خدمت میں مستقل درخواست ہے اور کم از کم ماہِ مبارک کے ختم تک جس کے چند ہی ایام اب باقی ہوں گے، روزانہ ایک مرتبہ اگر عرض کر دیا کریں تو بڑا کرم ہے۔
سب حضرات کی خدمت میں روضۂ اطہر پر سلام کی مستقل درخواست ہے کہ فرض کفایہ نہیں ہے۔

---

(۴)

روضۂ اقدس پر صلوٰۃ و سلام!

ایک مختصر پرچہ ۴ ر رمضان المبارک کو یہ خبر سن کر کہ جہاز کا خط جا رہا ہے لکھ کر دیا تھا، کل جناب کا ۲۵ ر شعبان کا لکھا ہوا گرامی نامہ عدن و کامران کے درمیان سے پہونچا، خط سے حجاز کے تمام مناظر نظر کے سامنے کو دفعتہً گذر کر جس قلق اور رنج کا سبب ہوئے کیا عرض کروں خوش قسمت ہیں وہ حضرات جن کو یہ سعادتیں میسر آرہی ہیں حق تعالیٰ شانہٗ قبول فرمائیں۔
جہاز کے تلاطم اور طغیانی کی خبروں سے بڑا قلق ہوا۔
آپ حضرات نہ بھلائے جا سکتے ہیں نہ بھلانے کی چیز ہیں حق تعالیٰ شانہٗ آپ کی مساعی کو مثمر فرما کر باعثِ ترقی درجات بنائے اور آپ کے حسنِ ظن سے اس ناپاک کو نوازے۔
بخدمت ... ... بعد دعوات تم بہت تساہل اور معمولات میں مجھ سے بھی بڑھ کر گئے گذرے ہو وقت کو غنیمت سمجھنا تم ... ... کو فارغ رکھنے کے لئے گئے ہو اس کا ضرور لحاظ رہے کہ ان کو گھر والوں میں مشغولی کی نوبت نہ آئے یہی آپ کی تبلیغی خدمت ہے۔ اور اس سے جو وقت بچے وہ مدینہ پاک کے قیام میں درود شریف کی کثرت میں، اور وہاں سے واپسی پر تا رمی، جمرہ، تلبیہ کی کثرت میں، اور اس کے بعد سے وطن پہونچنے تک اپنی اور اعزہ اور احباب کیلئے استغفار کی کثرت میں۔
... ... کی خدمات میں سلام مسنون۔

فقط والسلام

---

(۵)

روضۂ اطہر پر دست بستہ صلوٰۃ وسلام!

بعد سلام مسنون گرامی نامہ مورخہ ۱۳ر رمضان ۲۰ر ماہ مبارک کو پہونچا، ہر چند کہ ماہ مبارک میں خط لکھنے کا وقت ارادہ سے بھی نہیں ملتا لیکن آپ کے انتظار نے مجبور کیا کہ چند سطور تو لکھ ہی دوں۔
گرامی نامہ نے گرمی کے رمضان میں ایک شعلہ سا بدن میں پیدا کر دیا، اسکے سوا کیا عرض کروں (ھنیئاً لارباب النعیم نعیمھم) آپ نے راستہ کی کیفیت اور مناظر تحریر فرما کر سابقہ حالات اور پرانے واقعات یاد دلا دیئے۔
آپ نے یہ تحریر نہیں فرمایا کہ مدینۂ طیبہ کا قیام کب تک ہے تاکہ عید کے بعد کے عرائض کے متعلق رائے قائم کر سکوں، ماہ مبارک اب قریب الختم ہے اس میں تو دوسرا عریضہ بظاہر نہ جا سکے گا اس کے بعد تقریباً ایک عشرہ مسلسل مختلف اسفار ... میں صرف ہوگا۔
روضۂ اطہر پر صلوٰۃ وسلام کی درخواست سب حضرات سے مستقل ہی۔

صبحِ مدینہ

(از۔ حضرت صوفی ایم۔ اے)

اے صبحِ مدینہ صلِ علیٰ، سبحان اللہ سبحان اللہ
سبحان اللہ سبحان اللہ، سبحان اللہ سبحان اللہ

الصبح بدا من طلعتہٖ واللیل دجیٰ من وفرتہٖ
جاتی ہے جدھر پُرشوق نظر، جلوہ جلوہ جلوہ جلوہ

کیا موسم ہے کیا عالم ہے، تسبیح میں ٹھنڈے جھونکے ہیں
اک وجد میں ہے ڈالی ڈالی، اک کیف میں ہے پتہ پتہ

کوہ و وادی، صحرا، بستی، ہر چار طرف مستی مستی
کہتی ہے سانسیں لے لے کر ہر موجِ ہوا اللہ اللہ

تاروں پر مستی چھائی ہے، بیہوشی ہے، رعنائی ہے
بیداری ہے، بینائی ہے، نورانی ہے ذرّہ ذرّہ

کیا شبنم نے چھڑکاؤ کیا، نیساں کے نتھرے بوندوں کا
زندہ سیپی، سچّا موتی، پتّی پتّی، قطرہ قطرہ

زلفیں لہرائیں حوروں کی، یا شاخیں سبز کھجوروں کی
ہیں موجِ ہوا کی سانسیں، یا معصوم فرشتوں کا نغمہ

کس حسرت سے بیدار ہوئے، کس عجلت سے تیار ہوئے
پھر نور کی جالی دیکھیں گے اے شوقِ نظر تیرا رتبہ

اب مسجد کے میناروں پر رہ رہ کے پپیہے بولیں گے
اب رحمت کا در کھولینگے، وا ہوگا جنّت کا روضہ

خاموش فضائیں سوتی ہیں، پُرکیف اذانیں ہوتی ہیں
اُڑتی ہے ہوائیں گنبد سے ٹکرا کے صدائے الا اللہ

آنسو کیوں اُبلے پڑتے ہیں، یہ دل کیوں ڈوبا جاتا ہے
ہم اور مدینہ کی بستی، اپنی پستی کا یہ درجہ

واللیل اذا یغشیٰ پڑھ کر، شب نے زلفیں لہرائی تھیں
والشمس ضیاءٗا کہہ کہہ کر، کرنوں نے کھولدیا چہرہ

گنبد کا نور دمک اُٹھا، روضہ کا حُسن چمک اُٹھا!
دل کا گلزار لہک اُٹھا، ماشاء اللہ ماشاء اللہ

رحمت کی گھٹا چھائے تم پر، اے گنبدِ خضرا کے جلوو!
بارش ہو دُرودوں کی تم پر، اے صلِ علیٰ محبوب اللہ

صوفی اک حسرت لایا ہے، ظلمت سے نور میں آیا ہے!
یہ دل بھی نورانی کردے، انوارِ مدینہ کا صدقہ

حج و زیارت کے آداب

(از حضرت مولانا محمد زکریا (مدظلہم العالی) شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور۔)

(اللہ کے جن بندوں کو حج و زیارت کی سعادت نصیب ہو ان کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ حج و زیارت کے آداب کا علم حاصل کریں اور ان کی پابندی کی پوری کوشش کریں۔

ذیل میں جو آداب درج کئے جا رہے ہیں۔ یہ مخدومنا حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہم العالی کی بابرکت تصنیف "فضائل حج" سے ماخوذ ہیں جو حضرت ممدوح کی اجازت سے یہاں درج کئے جا رہے ہیں۔ ان آداب میں جو کچھ ہے سراسر مقصد اور مغز ہی مغز ہے خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو ان سے پورا فائدہ اٹھائیں۔

صفحات میں گنجائش کی کمی اور ناظرین کے لئے استفادہ کی سہولت کے خیال سے جابجا عبارت میں تلخیص بھی کی گئی ہے یعنی بعض آداب کے سلسلہ کی علمی تفصیلات کو حذف کر دیا گیا ہے لیکن کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی گئی ہے جو ہمارے نزدیک ناظرین کے لئے ضروری تھی۔ اس اختصار اور تلخیص کے عمل کی وجہ سے اگر کہیں کچھ فرق پیدا ہو تو اس کی ذمہ داری خاکسار مرتب پر ہے ـــ مدیر)

آداب حج (۱) جب اللہ جل شانہ کسی خوش نصیب کو اس سعادت کی توفیق عطا فرمادے مثلاً حج فرض ہو جائے۔ یا حج نفل کے اسباب پیدا ہو جائیں تو پھر ارادہ کی تکمیل میں

عجلت کرنا چاہئے بالخصوص حج فرض کو معمولی اعذار کی وجہ سے ہرگز مؤخر نہ کرنا چاہئے کہ شیطان ایسے مواقع پر لغو خیالات اور بے محل ضروریات دل میں جمع کر دیتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے دل میں ڈالتا ہے اس لئے موانع کو شیطانی اثر سمجھکر حتی الوسع ان کے دفع کرنے کی اور اُن کو غیر اہم سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

(۲) مناسب ہے کہ جب سفر کا ارادہ ہو تو مسنون استخارہ کرلے نفس حج کے لئے استخارہ کی ضرورت نہیں مثل مشہور ہے "در کار خیر ہیچ حاجت استخارہ نیست" لیکن چونکہ اہم سفر ہے راستہ دشوار گزار ہے ان امور کے متعلق استخارہ کرے کہ کب چلے کس راستہ سے جائے کس جہاز میں جائے وغیرہ وغیرہ

(۳) حج کے مسائل معلوم کرنے کی سعی کرے بہت سے رسائل اُردو میں اس موضوع پر شائع ہو چکے ہیں اُن کو بالاستیعاب دو چار مرتبہ سفر سے پہلے پڑھ لے تاکہ ناواقفیت کی وجہ سے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں نقصان نہ رہ جائے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ کسی عالم کی رفاقت سفر میں اختیار کرے اور ہر چیز کو اس سے تحقیق کرتا رہے تین رسالوں کے مطالعہ کا بندہ ناکارہ خصوصیت سے مشورہ دیتا ہے۔ ایک زبدۃ المناسک مؤلفہ قطب عالم حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ دوسرے زیارت الحرمین مؤلفہ مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تیسرے معلم الحجاج مؤلفہ مولانا سعید احمد صاحب زاد مجدہم مفتی مظاہر علوم اُن کے علاوہ اور جو رسائل معتمد علماء کے مل سکیں۔

(۴) جب سفر کرے تو نیت خالص اللہ کی رضا ہونا چاہئے لوگوں کا دکھلاوا یا حاجی کہلانے کا شوق یا سفر تفریح وغیرہ فاسد ارادے ہرگز نہ ہونا چاہئیں۔

(۵) ایک یا اس سے زیادہ رفیق سفر ایسے لوگ تلاش کئے جائیں جو دیندار صالح نیک ہوں دین کے کاموں میں دلچسپی اور شوق رکھنے والے ہوں تاکہ اس راستے میں معین و مددگار ہوں اگر یہ کسی کام کو بھول جائے تو وہ یاد دلائیں اور نیک کاموں کی ترغیب دیتے رہیں اگر کسی کام میں سستی پیدا ہو تو وہ ہمت بندھائیں کوئی پریشانی پیدا ہو تو صبر دلائیں کوئی عالم ہو تو اور بھی بہتر ہے کہ مسائل میں بھی مدد دیتا رہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ رشتہ دار کی بہ نسبت اجنبی زیادہ بہتر ہے کہ راستہ میں بسا اوقات طبائع کے اختلاف کی وجہ سے آپس میں خفگی رنجی پیدا ہو جاتی ہے جس سے قطع تعلق کی نوبت آجاتی ہے اگر رشتہ دار کے ساتھ ایسی نوبت آئے گی تو قطع رحمی کا

گناہ ہوگا البتہ اگر اپنے اوپر یا رفیق پر اس کا اطمینان ہو کہ ایسی نوبت نہ آئیگی تو مضائقہ نہیں۔

(۶) حج کے لئے حلال مال تلاش کرے جس میں شبہ نہ ہو حرام مال سے خواہ رشوت کا ہو یا ظلم سے کسی سے حاصل کیا ہو ایسے مال سے فرض تو ادا ہو جاتا ہے لیکن وہ حج مقبول نہیں ہوتا۔ اگر مال مشتبہ ہو تو پھر علماء نے اسکی یہ صورت تجویز کی ہے کہ قرض لیکر حج کرلے اور پھر اس مال سے قرض ادا کردے۔

(۷) اپنے سب پچھلے گناہوں سے توبہ کرے اور کسی کا مال ظلم سے لے رکھا ہو تو اس کو واپس کرے اور کسی اور قسم کا کسی پر ظلم کیا ہو تو اس سے معاف کرائے جن لوگوں سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہو ان سے کہا سنا معاف کرالے اگر کچھ قرضہ اپنے ذمہ ہو تو اسکو ادا کرے، یا ادائیگی کا کوئی انتظام کردے جو امانتیں لوگوں کی اپنے پاس ہوں انکو واپس کرے یا کوئی مناسب انتظام امانت رکھنے والوں کی رضا سے کردے جن لوگوں کا خرچ اپنے ذمہ ہے جیسے بیوی چھوٹی اولاد وغیرہ ان کے خرچ کا بندوبست اپنی واپسی کے زمانہ تک کردے۔

(۸) حلال وطیب مال سے اتنا خرچہ اپنے ساتھ لے جو بغیر تنگی کے پورے سفر کی آمد و رفت کو کافی ہو جائے بلکہ احتیاطاً کچھ زائد لے تاکہ راستہ میں غرباء کی کچھ اعانت کرسکے کھانے میں سے اہل ضرورت کی تواضع کرسکے جو لوگ ضرورت کی مقدار سے بھی کم لیکر جاتے ہیں وہ اکثر دوسروں پر بوجھ بنجاتے ہیں اور سوال کے مرتکب ہوتے ہیں۔

(۹) جب سفر شروع کرے تو دو رکعت نفل پڑھے جس میں پہلی رکعت میں قل یا اور دوسری میں قل ہو اللہ پڑھنا اولیٰ ہے اور بہتر یہ ہے کہ دو رکعت گھر میں پڑھے اور دو رکعت محلہ کی مسجد میں

(۱۰) چلنے سے پہلے اور چلنے کے بعد کچھ صدقہ کرے اور اپنی وسعت کے موافق کرتا رہے کہ صدقہ کرنے کو بلاؤں اور مصیبتوں کے دفع کرنے میں خاص دخل ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کرنا اللہ کے غصہ کو دور کرتا ہے اور بری موت سے حفاظت کا سبب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو کپڑا پہنائے جب تک اس کے بدن پر کپڑا رہیگا پہنانیوالا اللہ کی حفاظت میں رہے گا۔ (مشکوٰۃ)

(۱۱) جب سفر شروع کرنے لگے تو اسوقت کی مخصوص دعائیں جو احادیث میں کثرت سے آئی

ہیں پڑھ کر نکلے۔

(۱۲) چلتے وقت مقامی رفقاء اعزہ و احباب سے ملاقات کر کے انکو الوداع کہے اور ان سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرے کہ انکی دعائیں بھی اسکے حق میں خیر کا سبب ہونگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے جب کوئی آدمی تم میں سے سفر کرے تو اپنے بھائیوں کو سلام کر کے جائے انکی دعائیں اس کی دعا کے ساتھ ملکر خیر میں زیادتی کا سبب ہونگی۔ الوداع کہتے وقت مسنون یہ ہے کہ یوں کہے أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ أَعْمَالِكُمْ (اتحاف)

(۱۳) جب گھر کے دروازے سے نکلے تو اسوقت کیلئے بھی متعدد دعائیں احادیث میں آئی ہیں ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اپنے مقصد کی طرف راستہ پائیگا اور راستہ میں تیری حفاظت کی جائیگی اور شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے (اتحاف)

(۱۴) جب سفر شروع ہونے لگے تو قافلہ میں کسی دیندار سمجھدار تجربہ کار متحمل مزاج جفاکش متواضع شخص کو امیر قافلہ بنالینا چاہیئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جب تین آدمی بھی سفر کریں تو چاہئے کہ ایک کو اپنے میں سے امیر قافلہ بنالیں (مشکوٰۃ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تھا کہ جب کوئی قافلہ روانہ ہوتا تو کسی ایک شخص کو اُن میں سے امیر بنادیتے اور جو شخص امیر بنے اس کو امارت کے حقوق اور اسکے آداب کی رعایت کرنا چاہئے رفقا کے احوال کی خبر گیری اُنکے سامان کی نگرانی کے اسباب پیدا کرنا انکو آرام و راحت پہونچانا امیر کے ذمہ ہے

(۱۵) بہتر یہ ہے کہ سفر کی ابتدا پنجشنبہ کے دن صبح کے اوقات میں ہو ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پنجشنبہ کے روز سفر کی ابتداء کو پسند فرماتے تھے (مشکوٰۃ) دوسری حدیث میں ہے کہ حضور کسی لشکر یا قافلہ کو روانہ فرماتے تو دن کے اول حصہ میں روانہ فرماتے۔

(۱۶) سواری پر سوار ہونیکی اور اترنے کی دعائیں بھی احادیث میں متعدد وارد ہوئی ہیں اُن کو معلوم اور محفوظ کرنا اولےٰ ہے کہ ہر منزل پر اترتے چڑھتے پڑھتا رہے۔

(۱۷) سفر میں جب کسی اونچی جگہ چڑھے تو علاوہ دوسری دعاؤں کے اللہ اکبر تین مرتبہ اور جب نیچے کی جگہ اترے تو علاوہ اور دعاؤں کے سبحان اللہ تین مرتبہ کہنا اولیٰ ہے اور جب سفر میں کسی جگہ

وحشت سوار ہو اور گھبراہٹ ہونے لگے تو سبحان الملک القدوس رب الملئکۃ والروح جللت السموات بالعزۃ والجبروت پڑھنا اولیٰ بھی اور مجرب بھی ہے۔

(۱۸) اگر کوئی شخص بلا مشقت کے پیدل حج کرے تو کیا ہی کہنا بشرطیکہ کسی دوسرے مکروہ میں مبتلا نہ ہو جائے لیکن اگر سواری پر حج کرے تب بھی اولیٰ یہ ہے کہ اپنی ہمت اور وسعت کے موافق جتنا بسہولت تحمل ہو سکے پاؤں چلے بالخصوص مکہ سے عرفات کے درمیان کہ ہر ہر قدم پر سات سو نیکیاں حرم کی نیکیوں میں سے شمار ہوتی ہیں اور حرم کی نیکی ایک لاکھ کے برابر ہوتی ہی اکابر کا اکثر معمول تھا کہ اونٹوں کے سفر میں جب عصر کی نماز کیلئے اترتے تو مغرب تک پاؤں چلکر مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر سوار ہوتے کہ یہ وقت مختصر بھی ہوتا ہے اور گرمی دھوپ یا اندھیرا بھی نہیں ہوتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ مکہ سے عرفات اور منیٰ تک پیدل جانا زیادہ پسندیدہ اور بہتر ہے کہ جو لوگ قوی چلنے کے عادی ہوں ان کو اس حصہ کیلئے سواری کا پابند نہ ہونا چاہئے کہ بسا اوقات سواری کی مجبوری سے بہت سے مستحبات ترک ہو جاتے ہیں۔

(۱۹) سواری کے جانور کی رعایت اور اسکے حقوق کی حفاظت بھی ضروری ہے اسکے تحمل سے زیادہ مشقت اس پر ڈالنا جائز نہیں اسلاف میں سے متقی اور پرہیزگار حضرات اس پر لیٹ کر سونے سے بھی احتراز کرتے تھے کہ اس سے اسپر بوجھ بڑھ جاتا ہے علما نے لکھا ہے کہ جانور کو اذیت پہنچانے اور بے وجہ تکلیف دینے کا بھی قیامت میں مطالبہ ہوگا۔ حضرت ابو درداء صحابی رضی اللہ عنہ اپنے انتقال کے وقت اپنے اونٹ سے خطاب کر کے فرما رہے تھے کہ اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں مجھ سے جھگڑا نہ کیجیو میں نے تیری طاقت سے زیادہ کام تجھسے کبھی نہیں لیا۔ (اتحاف)

(۲۰) اسی طرح سواری کے مالک کے حقوق کی بھی رعایت ضروری ہے اسکی اجازت سے زیادہ سامان رکھنا جائز نہیں جتنی مقدار کرایہ میں طے ہو چکی ہے اتنی ہی رکھنا جایز ہے اس میں ریل وغیرہ کا سفر بھی یہی حکم رکھتا ہے کہ چرا چھپا کر استحقاق سے زیادہ سامان بلا محصول ادا کئے رکھنا جائز نہیں اپنے اسلاف کا معاملہ تو اس میں اسقدر احتیاط کا تھا کہ وہ اب سمجھ میں بھی مشکل سے آتا ہے حضرت عبداللہ بن مبارک رضؓ جو مشہور محدث اور مشہور امام ہیں ایک مرتبہ سفر میں تشریف لیجا رہے تھے کسی نے ان کو ایک خط دیا کہ یہ بھی لیتے جائیں انھوں نے فرمایا کہ میں اونٹ والے کو اپنا سامان دکھا چکا ہوں اب اس کو پہلے اطلاع کر دوں کہ یہ اور لیتا ہوں وہ اجازت دیدیگا تو لے لونگا (اتحاف)

(۲۱) سارے سفر میں تنعم اور زیب و زینت کے اسباب سے بچے کہ یہ سفر عاشقانہ سفر ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے الحاج الشعث التفل (پراگندہ بال اور میلا حاجی افضل حاجی ہے) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جب حجاج کو دیکھتے تو فرماتے کہ حاجی کم ہوتے جارہے ہیں اور سفر کرنے والے بڑھتے جارہے ہیں اسی میں ایک شخص کو دیکھا کہ معمولی ہیئت اور معمولی لباس میں ہے فرمایا ہاں یہ حجاج میں ہے (اتحاف)

(۲۲) سفر میں جو کچھ خرچ کرے وہ نہایت بشاشت اور فراخدلی سے خرچ کرے دل تنگی اس مبارک سفر کے اخراجات میں ہرگز نہ ہونا چاہئے حدیث میں آیا ہے کہ ایک روپیہ کا ثواب اس سفر میں سات سو روپیہ کے برابر ہے ایسی حالت میں جو پیسہ اس مبارک سفر میں خرچ ہو جائے وہ اجر ہی اجر ہے اس سے مقصود یہ نہیں کہ اسراف کیا جائے لیکن یہ ضرور ہے کہ ہر خرچ کی زیادتی اسراف نہیں بلکہ اسراف بے محل خرچ کرنا ہے وہاں کے مزدوروں پر اونٹ والوں پر مکانات کے کرایوں میں جو خرچ کیا جائے اور اس میں ان لوگوں کی اعانت کی نیت بھی شامل کرلیجائے تو پھر کوئی بھی خرچ بار نہیں۔

(۲۳) البتہ رشوت دینے سے حتی الوسع احتراز کرے اور جہاں تک مجبوری نہ ہو جائے رشوت نہ دے کہ وہ حرام ہے۔

(۲۴) اس سفر میں جو مشقتیں تکلیفیں پہونچیں ان کو نہایت خندہ پیشانی اور بشاشت سے برداشت کرے ہرگز ان پر ناشکری اور بے صبری کا اظہار نہ کرے علماء نے لکھا ہے کہ اس سفر میں بدن کو کسی قسم کی تکلیف پہونچنا بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے قائم مقام ہے (اتحاف) جیسا مال خرچ کرنا مالی صدقہ ہے یہ جانی صدقہ ہے۔

(۲۵) معاصی سے بچنے کی بہت اہتمام سے کوشش کرے قرآن پاک میں خاص طور سے اس کو ذکر فرمایا ہے فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ جل شانہ تک وصول اسوقت تک نہیں ہو سکتا جب تک لذتوں سے احتیاط اور شہوتوں سے حفاظت نہ ہو اسی وجہ سے پہلے لوگ رہبانیت اختیار کیا کرتے تھے جس کا بدل حج میں یہ رکھا گیا کہ بیوی سے صحبت بھی ناجائز کر دی گئی۔ (اتحاف)

(۲۶) نمازوں کا نہایت اہتمام رکھے بہت سے حاجی سفر کی مشقت اور کاہلی سے اس میں سستی کر دیتے

ہیں یہ بہت بڑا گناہ ہے ابوالقاسم حکیم کہتے ہیں جو شخص جہاد میں جائے اور اسکی وجہ سے اسکی ایک نماز فوت ہو جائے تو اس کو اس کے کفارہ میں نئے جہاد کرنے کی ضرورت ہے۔

(۲۷) سارے سفر کو ذوق و شوق اور عاشقانہ والہانہ جذبہ سے کرے۔ کہ یہ عبادت ساری ہی مظہر عشق ہے یہ سمجھے کہ اللہ کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے اور ایسا ہے گویا شہنشاہ نے کوئی دربار مقرر کیا ہے اور خوش قسمتی سے دعوتی کارڈ اسکے نام کا بھی آگیا اسلئے کہ بغیر اللہ جل شانہ کی توفیق کے کچھ بھی نہیں ہوتا اسی کی طرف سے حاضری کی طلب ہوتی ہے جب ہی کوئی شخص جا سکتا ہے ؎

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے　　　قدم یہ خود نہیں اُٹھتے اٹھائے جاتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید رکھے کہ جب دنیا میں اس نے اپنی اس تجلّی گاہ کی زیارت کی سعادت نصیب فرمائی تو آخرت میں اپنی زیارت سے بھی محروم نہ فرمائیگا۔

(۲۸) اپنی ہر عبادت میں اللہ کے لطف و کرم سے قبول کی امید واثق رکھے وہ بڑا کریم ہے اور اس کے کرم کا ہر شخص کو اُمیدوار رہنا چاہئے ع کہ شیوہ ہائے کریماں کا نہ ہا اپنے چاکر کا۔ مگر اس امید میں گھمنڈ کا شائبہ ہرگز نہ آئے اپنے اعمال کے قصور کی وجہ سے اس کو اس کا مستحق سمجھے کہ قابل قبول نہیں۔

آداب زیارت

(۱) جب زیارت کی نیت سے سفر کرے (خواہ قبر اطہر کی زیارت کی نیت ہو یا مسجد کی زیارت کی) تو اپنی نیت کو خالص اللہ کی رضا کیواسطے خاص کرے اسمیں کوئی شائبہ ریا کا تفاخر کا شہرت کا سیر و سیاحت کا یا کسی اور دنیوی غرض کا ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ اس صورت میں نیکی برباد گناہ لازم ہے۔

(۲) ملا علی قاری نے شرح لباب میں لکھا ہے کہ نیت کے خالص ہونے کی علامت یہ ہے کہ فرائض اور سنن نہ چھوٹنے پاویں ورنہ زیارت سے مشقت اور مالی نقصان کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا بلکہ توبہ اور کفارہ ذمہ ہو گیا۔ بندۂ ناکارہ کے خیال میں سنن کا اس سفر میں خاص اہتمام رکھے اگرچہ سفر کیوجہ سے سنتوں میں خفت آجاتی ہے اور سفر میں سنتوں کا وہ حکم نہیں رہتا جو حضر میں ہے لیکن مدینہ پاک کی حاضری میں حتی الوسع زیادہ اہتمام مناسب ہے بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات عادات شریفہ کی تحقیق کر کے انکے اتباع کی سعی کرے تو اس سفر کی شان کے زیادہ مناسب ہے۔

(۳) اس سفر میں درود شریف کی خصوصیت سے کثرت رکھے اور نہایت توجہ سے پڑھے تمام علماء نے اسکی بہت تاکید لکھی ہے کہ اس سفر میں درود شریف کی نہایت کثرت کرے جتنی کثرت ہوگی اتنا ہی مفید ہوگا بلکہ ملا علی قاری نے تو شرح لباب میں یہاں تک لکھا ہے کہ فرائض اور ضروریات معاش سے جتنا وقت بچے وہ سب درود شریف کے پڑھنے میں خرچ کرے

(۴) ذوق شوق پیدا کرے اور جتنا قریب ہوتا جائے شوق و اشتیاق میں زیادتی پیدا کرے۔

وعدۂ وصل چون شود نزدیک　　آتش شوق تیز تر گردد

کبھی کبھی اس شوق کو پیدا کرنے کے واسطے نعتیہ اشعار بھی پڑھ لیا کرے حضور کی سیرت کی کوئی کتاب ساتھ ہو یا ملجائے تو اس کو پڑھ لیا کرے یا سن لیا کرے آپس کی مجلسوں میں بھی حضور ہی کے حالات کا تذکرہ رہا کرے اور جو دن مدینہ پاک کے قرب کا آتا جائے اس میں خوشی اور اشتیاق بڑھتا جائے۔

(۵) راستہ میں جو مسجدیں یا مواقع ایسے آئیں جن میں حضور اقدس یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قیام یا نماز پڑھنا معلوم ہو انکی زیارت کرتا جائے اور وہاں نوافل پڑھے یا ذکر و تلاوت وغیرہ کرے اسی طرح جو کنویں راستہ میں ایسے آئیں ان کا پانی برکت کے حصول کی نیت سے پئے معلم الحجاج اور زیارات الحرمین (جن کا شروع میں ذکر آچکا ہے) ان میں بھی بہت سے مواقع ذکر کئے گئے ہیں انکو غور سے پڑھے اور مواقع کی تحقیق کرے ان سب میں معرس جو ذوالحلیفہ کے قریب ہے وہاں نماز پڑھنا زیادہ اہم ہے کہ شافعیہ اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں اور بعض علماء سے اس کا واجب ہونا نقل کیا گیا ہے (شرح مناسک نووی)

(۶) جب مدینہ طیبہ قریب آجائے تو بہت زیادہ ذوق و شوق میں غرق ہو جائے کثرت سے درود شریف بار بار پڑھے اگر سواری پر ہو تو اس کو تیز چلانے کی کوشش کرے حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ طیبہ قریب ہوتا تو اپنی سواری کو تیز چلاتے

وابرح مایکون الشوق یوماً ÷ اذا دنت الخیام الی الخیام

(سب سے بڑھا ہوا اشتیاق اس دن ہوتا ہے جب عشاق کے خیمے معشوق کے خیمہ کے قریب ہو جائیں)

(۷) جب مدینہ طیبہ کی دیواروں پر نظر پڑ جائے اور اس کے معطر باغ نظر آنے لگیں جو بیر علی کے بعد سے نظر آنے لگتے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ سواری سے نیچے اتر جائے اور روتا ہو ننگے پاؤں چلے سہ

ولما رأینا رسم من لم یدع لنا فؤادا لعرفان الرسوم ولا لبا
نزلنا عن الاکوار نمشی کرامۃ لمن بان عنہ ان نلم بہ رکبا

(یعنی) جب ہم نے اس محبوب کے شہر کے نشانات دیکھے جس نے نشانات کے پہچاننے کے واسطے نہ ہمارے پاس دل چھوڑا نہ عقل چھوڑی تو ہم اپنی سواریوں سے اتر گئے اور اس کے اکرام میں پیدل چلنے لگے اسلئے کہ اسکی شان سے یہ بہت بعید بات تھی کہ اس کے پاس سوار ہو کر جائیں۔)

پہلے امراء وزراء کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ذوالحلیفہ سے جو تقریباً چھ میل ہے پیدل چلنے لگتے تھے اور حق یہ ہے کہ اس جگہ پاؤں کے بجائے سر کے بل بھی چلے تو اس جگہ کے حق کا کوئی حصہ بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ سہ

لو جئتکم قاصداً اسعی علی بصری لم اقض حقا وای الحق ادیت

(یعنی) اگر میں تمھاری خدمت میں پاؤں کے بجائے آنکھوں سے چلکر آتا تب بھی میں حق ادا نہ کرسکتا تھا اور میں نے آ کا تھا اور یہی کونسا حق ادا کیا جو یہی ادا کرتا) سہ

ولما رأینا من ربوع حبیبنا بطیبۃ اعلاما اثرن لنا الحبا
وبالترب منہا اذ کحلنا جفوننا شفینا فلا باسا نخاف ولا کربا

(جب مدینہ پاک میں محبوب کی منزل کے آثار نظر آنے لگے تو انھوں نے محبت کو بھڑکا دیا اور جب وہاں کی مٹی کو آنکھوں کا سرمہ بنایا تو ساری بیماریوں سے شفا ہو گئی کہ اب نہ کسی قسم کا مرض ہے نہ تکلیف)

(۸) جب فصیل مدینہ آجائے تو درود شریف کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ نَبِیِّکَ فَاجْعَلْہُ لِیْ وِقَایَۃً مِّنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ (اے اللہ یہ تیرے نبی کا حرم آگیا اس کو تو میرے آگ سے بچنے کا ذریعہ بنادے اور عذاب سے بچنے کا ذریعہ بنادے اور حساب کی برائی سے بچنے کا سبب بنادے) اس کے بعد اس پاک شہر کی خیر و برکت حاصل ہونیکی دعا کرے اور اس کے آداب بجالانے کی توفیق کی دعا کرے اور کسی نامناسب حرکت میں ابتلا سے بچنے کی دعا کرے اور خوب دعائیں کرے۔

(۹) بہتر یہ ہے کہ شہر میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے اور پہلے میسر نہ ہو تو شہر میں داخل ہونے کے بعد مسجد میں داخل ہونے سے پہلے کرلے اور غسل نہ ہو سکے تو وضو کم از کم ضرور کرلے اسکے بعد بہترین لباس

پہنے اور خوشبو لگائے جیسا کہ عیدین یا جمعہ کے لئے کرتا ہو مگر تواضع اور انکسار ملحوظ رہے تفاخر پاس نہ آئے۔

(۱۰) بعض علماء نے اسوقت کچھ صدقہ کرنا بھی آداب میں لکھا ہے یعنی مسجد میں داخل ہونے سے پہلے پہلے کچھ صدقہ کر دے ابن حجر لکھتے ہیں کہ مسنون یہ ہے کہ کچھ صدقہ کرے چاہے قلیل ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۱) جب شہر میں داخل ہو تو اسوقت کی خصوصی دعائیں پڑھتا ہوا نہایت خشوع خضوع سے داخل ہو اب تک کی عدم حاضری کا قلق ہو دنیا میں حضور کی زیارت نصیب نہ ہونے کا رنج ہو آخرت میں زیارت نصیب ہونیکی آرزو اور تمنا ہو اور اس کا خوف ہو کہ نہ معلوم مقدر ہے یا نہیں اور جیسا کہ کسی بڑے سے بڑے دربار میں حاضری کیوقت رعب و جلال کا اثر ہوتا ہے وہی منظر یہاں ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور قدر و منزلت ملحوظ ہو درود شریف لگاتار زبان پر جاری ہو۔ (لباب)۔

(۱۲) جب قبہ خضراء پر نظر پڑے تو عظمت و ہیبت اور حضور کی علو شان کا استحضار کرے اور یہ سوچے کہ اس پاک قبہ میں وہ ذات اقدس ہے جو ساری مخلوقات سے افضل ہے انبیاء کی سردار ہے فرشتوں سے افضل ہے۔ قبر شریف کی جگہ ساری جگہوں سے افضل ہے۔

(۱۳) شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضر ہو اگر مستورات کی یا سامان وغیرہ کی مجبوری ہو تو دوسری بات ہے ورنہ سب علماء نے لکھا ہے کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد میں حاضر ہونا افضل ہے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بھی احادیث میں یہی آیا ہے کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اول مسجد میں تشریف لیجاتے۔

(۱۴) عورتوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ اگر شہر میں دنکو داخل ہونے کی نوبت آوے تو وہ رات تک انتظار کریں اور رات کیوقت میں مسجد میں حاضر ہوں اسلئے کہ انکے لئے ہر وہ چیز مقدم ہے جو پردہ میں معین ہو۔

(۱۵) مسجد میں داخلہ کے وقت اس جگہ کے آداب کی رعایت رکھے کہ دایاں پاؤں پہلے مسجد میں رکھے پھر بایاں پاؤں رکھے اور مسجد میں داخل ہونے کی دعائیں پڑھے اور اعتکاف کی نیت کرے۔

(۱۶) مسجد میں داخل ہونے کے بعد خشوع خضوع عجز و انکسار میں بہت اہتمام کرے وہاں کی زیب

زینت فرش فروش جھاڑ فانوس قالین قمقموں میں نہ لگ جائے نہ ان چیزوں کی طرف التفات کرے نہایت ادب اور وقار سے نیچی نظر کئے ہوئے نہایت ہی ادب اور احترام سے جائے بے ادبی اور لاأبالی پن کی کوئی حرکت نہ کرے بڑے اونچے دربار میں پہونچگیا ہے ایسا نہ ہو کہ بے ادبی کی کوئی حرکت حرماں و خسران کا سبب بن جائے۔

(۱۷) مسجد میں جانے کے بعد سب سے پہلے روضۂ مقدسہ میں جائے "روضہ" وہ حصہ کہلاتا ہے جو منبر شریف اور قبہ شریف کے درمیان میں ہے اس کو روضہ اسلئے کہا جاتا ہے کہ حضور کا پاک ارشاد ہے کہ میری قبر اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کے روضوں میں سے ایک روضہ ہے روضہ باغ کو کہتے ہیں

(۱۸) روضۂ مقدسہ میں پہونچکر اول تحیۃ المسجد پڑھے مسجد میں حاضری کے بعد حضور کی خدمت میں حاضری سے قبل تحیۃ المسجد کا پڑھنا اولی ہے اسلئے کہ یہ اللہ کا حق ہے جو رسول کے حق پر مقدم ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں سفر سے آیا تھا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا حضور اسوقت مسجد میں تشریف فرما تھے حضور نے دریافت فرمایا کہ تحیۃ المسجد پڑھلی میں نے عرض کیا کہ نہیں فرمایا جاؤ پہلے تحیۃ المسجد پڑھکر بعد میں میرے پاس آنا (شرح مناسک نووی)۔

(۱۹) تحیۃ المسجد سے فارغ ہونے کے بعد اللہ جل شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرے کہ اس نے یہ نعمت جلیلہ عطا فرمائی اور اس پاک ذات سے حج و زیارت کی قبولیت کی دعا کرے اور چاہے سجدہ شکر کرے چاہے دو رکعت شکرانہ پڑھے بہت سے علما نے اسوقت سجدہ شکر کرنے کو لکھا ہے۔

(۲۰) نماز سے فراغت کے بعد قبر شریف کی طرف چلے اس حال میں کہ دلکو سب کدورات اور آلائشوں سے پاک رکھے اور ہمہ تن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کیطرف پوری توجہ کرے علماء نے لکھا ہے کہ جس قلب میں دنیا کی گندگیاں اور لہو ولعب شہوتیں اور خواہشیں بھر رہی ہوں اس دل پر وہاں کی برکات کا کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ ایسے دل والوں پر حضور کے غصہ اور اعراض کا اندیشہ ہے اللہ ہی اپنے فضل سے اس سے پناہ دے۔

(۲۱) جب کسی قبر پر حاضری ہو تو میت کے پاؤں کی طرف سے جائے تا کہ میت کو اگر حق تعالیٰ شانہ آنیوالے کا کشف عطا فرمائے تو دیکھنے میں سہولت رہے اسلئے کہ جب میت قبر میں دائیں کروٹ لیٹتی ہے تو اسکی نظر قدموں کی طرف ہوتی ہے اگر کوئی سرہانے کیجانب سے آئے تو میت کو دیکھنے میں تعب اور مشقت ہوتی ہے (فتح القدیر) اسی ضابطہ کے موافق اس جگہ بھی بعض علما نے لکھا ہے کہ قدم مبارک

کی جانب سے حاضر ہو جیسا کہ ابن حجر نے شرح مناسک میں نقل کیا ہے مواہب میں لکھا ہے کہ زائر کے لئے مناسب یہ ہے کہ قبلہ کی جانب سے ہو کر مواجہ شریف پر حاضر ہو لیکن اگر پاؤں کی طرف سے حاضر ہو تو یہ ادب کے لحاظ سے اولیٰ ہے۔

(۲۲) جب مواجہ شریف پر حاضر ہو تو سرہانے کی دیوار کے کونہ میں جو ستون ہے اس سے تین چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو اور پشت قبلہ کیطرف کرے اور بائیں طرف کو ذرا مائل ہو تاکہ چہرہ انور کے بالکل سامنے ہو جائے (زبدہ)

(۲۳) دیوار سے تین چار گز کے فاصلہ پر کھڑا ہو زیادہ قریب نہ ہو کہ ادب کے خلاف ہے اور نگاہ نیچی رہنا چاہیئے ادہر ادہر دیکھنا اسوقت سخت بے ادبی ہے ہاتھ پاؤں بھی ساکن اور وقار سے رہیں۔ یہ خیال کرے کہ چہرۂ انور اسوقت میرے سامنے ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میری حاضری کی اطلاع ہے حضور کی علوشان اور علو مرتبت کا استحضار پوری طرح سے دل میں ہو اور یہ سمجھے گویا میں زندگی میں آپ کی مجلس میں حاضر ہوں۔

(۲۴) اسکے بعد حضور پر سلام پڑھے مناسک کے رسائل میں سلام کے الفاظ بہت سے نقل کئے گئے ہیں اس میں سلف کا معمول مختلف رہا ہے بعض اکابر مختلف عنوان اور مختلف الفاظ کے ساتھ سلام پڑھتے تھے اور ذوق وشوق کا تقاضا یہی ہے ؎

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں ٭ واں ایک خموشی تیری سب کے جواب میں

اور بعض حضرات نہایت مختصر الفاظ میں سلام پڑھتے تھے ادب اور ھیبۃ کا تقاضا یہی ہے ؎

بے زبانی ترجمان شوق بے حد ہو تو ہو ٭ ورنہ پیش یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ بعض اکابر جیسے کہ حضرت ابن عمرؓ صرف السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پر اکتفا کرتے تھے اور بعض حضرات طویل سلام کو اختیار کرتے تھے اور احادیث میں مختلف الفاظ اور مختلف عنوانوں سے درود شریف وارد ہونے سے اسکی تائید ہوتی ہے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے زبدہ میں سلام کے الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ سلام میں جسقدر چاہے الفاظ زیادہ کرے مگر ادب اور عجز کے کلمات ہوں لیکن سلف یہاں مختصر الفاظ کہنے کو پسند کرتے ہیں جہانتک بھی اختصار ہو سکے مستحسن سمجھتے ہیں۔ امام نووی نے اپنے مناسک میں سلام کے طویل الفاظ

لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے غایت اختصار نقل کیا گیا حضرت ابن عمرؓ تو اتنا ہی کہتے تھے السّلام علیک یا رسُول اللہ السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک یا ابتاہ۔ اس ناکارہ کے ناقص خیال میں جو شخص سلام کے الفاظ کا ترجمہ اور مطلب سمجھتا ہو اور ان الفاظ کے بڑھانے سے ذوق میں اضافہ ہوتا ہو اسکو تو تطویل مناسب ہے اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو طوطے کیطرح سے مزورین کے الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں انتہائی ذوق وشوق اور غایت سکون اور وقار سے آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسُول اللہ پڑھتا رہے اور جبتک شوق میں اضافہ پاوے انھیں الفاظ کو یا اور کسی سلام کو بار بار پڑھتا رہے۔

(۲۵) یہ نہایت اہم اور ضروری بات ہے کہ سلام پڑھتے وقت شور شغب ہرگز نہ کرے نہ زور سے چلائے بلکہ اتنی آواز سے کہے کہ اندر تک پہونچ جائے ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ نہ تو زیادہ جہر ہو اور نہ بالکل اخفا ہو بلکہ متوسط اور معتدل آواز ہو اور ابنی، بداعمالیوں کیوجہ سے شرم وحیا لئے ہوئے ہو۔ بخاری شریف میں ایک قصہ لکھا ہے حضرت سائب کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا ایک شخص نے میرے ایک کنکری ماری میں نے اُدھر کو دیکھا تو وہ حضرت عمرؓ تھے انھوں نے مجھے (اشارہ سے بلاکر) کہا کہ یہ دو آدمی جو بول رہے ہیں انکو بلاکر لاؤ میں ان دونوں کو حضرت عمرؓ کے پاس لایا حضرت عمرؓ نے انسے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو انھوں نے عرض کیا کہ طائف کے رہنے والے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو تمھیں مزہ چکھاتا تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں چلاکر بول رہے ہو۔ محمد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کو بھی یہ نہیں چاہئیے کہ مسجد میں زور سے بولے (شرح شفاء) حضرت عائشہ رضؓ جب کہیں قریب کیل مینخ وغیرہ کے ٹھوکنے کی آواز سنتیں تو آدمی بھیجکر اُن کو روکتیں کہ زور سے نہ ٹھوکیں حضور کی تکلیف کا لحاظ رکھیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے مکان کے کواڑ بنوانے کی ضرورت پیش آئی تو بنانے والوں کو فرمایا کہ شہر کے باہر بقیع میں بنا کر لائیں انکے بنانیکی آواز کا شور حضور تک نہ پہونچے علامہ قسطلانی مواہب میں لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب کا وہی معاملہ ہونا چاہئیے جو زندگی میں تھا اسلئے کہ حضور اپنی قبر میں زندہ ہیں (شرح مواہب)

(۲۶) سلام کے بعد اللہ جل شانہ سے حضور کے وسیلہ سے دعا کرے اور حضور سے شفاعت کی

درخواست کرے۔

(۲۷) اس کے بعد اگر کسی اور شخص نے اپنی طرف سے حضور کی بارگاہ میں سلام عرض کرنیکی فرمائش کی ہو تو اسکی طرف سے بھی اس طرح سلام عرض کرے السلام علیک یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بک الی ربک آپ پر سلام اے اللہ کے رسول فلاں کیطرف سے جو فلاں کا بیٹا ہے اور وہ آپ سے اللہ کی پاک بارگاہ میں سفارش چاہتا ہے پہلے فلاں کی جگہ اس شخص کا نام لے دوسرے فلاں کی جگہ اس کے باپ کا نام لے اگر عربی میں کہنا مشکل ہو تو اردو میں عرض کردے کہ فلاں فلاں آدمیوں نے آپکی بارگاہ میں سلام عرض کیا اور شفاعت کی درخواست کی ہے۔ علامہ زرقانی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی سے سلام پہونچانے کی درخواست کی ہو اور اس نے اس درخواست کو قبول کرلیا ہو یعنی وعدہ کرلیا ہو کہ میں سلام پہونچادوں گا تو اسپر اب اس سلام کا پہونچانا واجب ہوگیا اسلئے کہ یہ بمنزلہ اسکی امانت کے ہے جس کو یہ قبول کرچکا۔ صاحب اتحاف لکھتے ہیں کہ سلف خلف سب کا معمول دوسروں کی معرفت سلام بھیجنے کا رہا ہے اور سلاطین تو مستقل قاصد مدینہ طیبہ حضور کی خدمت میں سلام پہونچانے کیلئے بھیجا کرتے تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز رح بھی حضور کی خدمت میں سلام عرض کرنے کیلئے مستقل قاصد بھیجا کرتے تھے ناظرین رسالہ سے یہ روسیاہ بھی درخواست کرتا ہے کہ اگر اس مبارک وقت میں یہ سیہ کار کسی کو یاد آجائے تو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ زَكَرِيَّا بْنِ يَحْيَى الْكَانْدَهْلَوِيِّ يَسْتَشْفِعُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ عرض کردیں احسان ہوگا اور یہ الفاظ یاد نہ رہیں تو اردو ہی میں اس ناکارہ کا سلام عرض کردیں۔

(۲۸) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کے بعد تقریباً ایک ہاتھ دائیں طرف ہٹکر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے مشہور قول کے موافق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک حضور کی قبر اطہر کے پیچھے اس طرح سے ہے کہ حضرت صدیق اکبر رض کا سر مبارک حضور کے شانہ کے مقابل ہے اسلئے ایک ہاتھ دائیں جانب کو ہو جانے سے حضرت صدیق اکبر کا سامنا ہو جاتا ہے۔

(۲۹) حضرت صدیق اکبر رض پر سلام سے فراغت کے بعد ایک ہاتھ دائیں جانب ہٹکر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے اسلئے کہ مشہور قول کے موافق حضرت فاروق کی قبر مبارک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے پیچھے اسی طرح ہے کہ حضرت عمر رض کا سر حضرت ابو بکر صدیق رض کے شانہ کے

مقابل ہے۔

(۳۰) ان دونوں حضرات کی خدمت میں بھی اگر کسی نے سلام عرض کرنے کی درخواست کردی ہو تو ہر ایک کی خدمت میں اپنا سلام پڑھنے کے بعد اس کا سلام عرض کردے اور یہ سراپا خطا و قصور بھی درخواست کرتا ہے کہ اگر ناظرین کو کسی وقت یاد آجائے تو اس ناپاک کا سلام بھی دونوں بارگاہوں تک پہونچادیں اللہ جل شانہ آپ کو اس احسان کا اپنے لطف سے اجر عطا فرمائے۔

(۳۱) بہت سے علما نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر علیحدہ علیحدہ سلام پڑھنے کے بعد پھر ان دونوں حضرات کے درمیان میں کھڑا ہو یعنے جس جگہ کھڑے ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھا ہے اس سے تقریباً نصف ہاتھ بائیں جانب کو کھڑا ہو تاکہ دونوں کے درمیان میں ہو جائے اور پھر دونوں پر مشترک سلام پڑھے جس کے الفاظ زبدہ میں یہ لکھے ہیں۔

السلام علیکما یا ضجیعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رفیقیہ و وزیریہ جزاکما اللہ احسن الجزاء جئناکما نتوسل بکما الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیشفع لنا ویدعو لنا ربنا ان یحیینا علی ملتہ وسنتہ ویحشرنا فی زمرتہ وجمیع المسلمین۔

تم دونوں پر سلام اے حضور کے پہلو میں لیٹنے والو تم پر سلام اے حضور کے دونوں ساتھیو تم پر سلام اے حضور کے دونوں وزیرو تمھیں حق تعالی شانہ (ہماری طرف سے) بہترین بدلہ (تمھارے احسانات) کا عطا فرمائے ہم تمھارے پاس اسلئے حاضر ہوئے کہ تم سے حضور کی بارگاہ میں اسباب کی سفارش چاہتے ہیں کہ حضور ہمارے لئے اللہ پاک کی بارگاہ میں شفاعت فرمادیں اور اللہ سے دعا فرمادیں کہ وہ ہمیں حضور کے دین پر اور حضور کی سنت پر زندہ رکھے اور ہمارا اور تمام مسلمانوں کا حشر حضور کی جماعت میں ہو۔

بعض حضرات نے اس سلام کے الفاظ بھی کم و بیش لکھے ہیں جیسا کہ سب سلاموں میں بعض حضرات نے مختصر الفاظ نقل فرمائے ہیں اور بعض نے زائد تحریر فرمائے ہیں اور بعض نے اس مشترک سلام کو ذکر ہی نہیں کیا کہ جب علیحدہ علیحدہ سلام عرض کرچکا ہے پھر مشترک کی کیا ضرورت باقی رہی لیکن جن حضرات نے اس کو ذکر فرمایا ہے غالباً اسی وجہ سے کہ یہاں اب دوبارہ سلام تو بمنزلہ تمہید اور ادب کے ہے اصل مقصود ان دونوں حضرات کی خدمت میں سفارش کی درخواست ہے کہ یہ حضور کی بارگاہ میں دعا

کی درخواست اور سفارش کردیں اسی لئے اسکا ترجمہ لکھا ہے کہ اس سے یہ اندازہ ہوسکے کہ اس مکرر سلام کی غرض کیا ہے۔

(۳۲) اس کے بعد پھر بائیں طرف آکر دوبارہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوکر ہاتھ اٹھاکر اول اللہ جل شانہ کی خوب حمد وثنا کرے اس نعمت جلیلہ کا اور اسکی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرے پھر خوب ذوق شوق سے حضور پر درود شریف پڑھے پھر آپ کے وسیلہ سے اللہ جل شانہ سے اپنے لئے اپنے والدین کے لئے اپنے مشائخ کے لئے اپنے اہل وعیال کیلئے اپنے عزیز واقارب کیلئے اپنے دوستوں اور ملنے والوں کیلئے اور ان لوگوں کیلئے جنھوں نے دعا کی درخواست کی ہو اور تمام مسلمانوں کیلئے زندوں کیلئے اور مردوں کیلئے خوب دعا کرے اور اپنی دعا کو آمین پر ختم کرے (شرح لباب) اور یاد آجائے تو ناکارہ زکریا کو بھی اپنی اس مبارک دعا میں شامل کرلے۔

(۳۳) اس کے بعد اسطوانہ ابولبابہ کے پاس آکر دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کرے (زبدہ)

(۳۴) پھر دوبارہ روضہ میں جاکر نفلیں پڑھے اور دعا درود وغیرہ میں خضوع خشوع سے مشغول رہے۔

(۳۵) اس کے بعد منبر کے پاس آکر دعا کرے علماء نے لکھا ہے کہ منبر کی اس جگہ پر جس کو رمانہ کہتے ہیں ہاتھ رکھکر دعا کرے اسلئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے وقت اسپر دست مبارک رکھتے تھے رمانہ منبر کی وہ مونٹھ کہلاتی ہے جو انار کی شکل کناروں پر بنی ہوئی ہوتی ہے۔

(۳۶) اس کے بعد اسطوانہ حنانہ کے پاس جاکر درود شریف اور دعا اہتمام سے کرے (زبدہ)

(۳۷) اس کے بعد باقی مشہور ستونوں کے پاس جاکر دعا کرے (لباب)۔

(۳۸) اور اس کی کوشش کرے کہ وہاں کے قیام میں کوئی نماز مسجد نبوی کی جماعت سے فوت نہ ہونے پائے (فتح القدیر) کہ قیام تھوڑا ہے اور ثواب بہت زیادہ نہ معلوم پھر حاضری میسر ہوسکے یا نہ ہوسکے۔

(۳۹) اس کا خیال رکھے کہ زیارت کے وقت نہ دیواروں کو ہاتھ لگاوے کہ یہ بے ادبی اور گستاخی ہے اور نہ دیواروں کو بوسہ دے کہ یہ حجر اسود ہی کا حق ہے نہ دیواروں کو چمٹے نہ طواف کرے اسلئے کہ طواف بیت اللہ شریف کے ساتھ خاص ہے قبر کا طواف حرام ہے ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ جاہلوں کے فعل کا اتباع نہ کرے چاہے وہ صورت سے مشائخ معلوم ہوتے ہوں نہ قبر کے سامنے جھکے نہ زمین کو بوسہ

دے نہ قبر کیطرف منھ کر کے اس نیت سے کہ ادھر قبر ہے نماز پڑھے ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اگر قبر کی تعظیم کے لحاظ سے اس طرف منھ کر کے نماز پڑھے تو اسکے کفر کا فتوی دیا جائیگا البتہ حجرہ کی پشت پر چونکہ دیوار حائل ہے اسلئے قبر شریف کا ارادہ کئے بغیر اسطرف نماز پڑھنا جائز ہے (شرح لباب)

(۳۹) بلا ضرورت شدیدہ قبر شریف کی طرف پشت نہ کرے نہ نماز میں نہ بغیر نماز کے (شرح لباب)

(۴۰) اس کا لحاظ رکھے کہ جب قبر شریف کے مقابل سے گذر رہا ہو تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھے حتی کہ علما نے لکھا ہے کہ اگر مسجد سے باہر بھی قبر شریف کے مقابل سے گذرے تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھے حضرت ابو حازم صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آئے اور بیان کیا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی حضور نے ارشاد فرمایا کہ ابو حازم سے کہدینا کہ تم میرے پاس سے اعراض کرتے ہوئے گذر جاتے ہو کھڑے ہو کر سلام بھی نہیں کرتے اس کے بعد سے ابو حازم کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ جب ادھر سے گذرتے تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھتے (شرح لباب)۔

(۴۱) مدینہ پاک کے قیام میں قبر شریف پر کثرت سے حاضری کا اہتمام رکھے امام اعظم امام شافعی امام احمد تینوں حضرات کے نزدیک کثرت سے حاضر ہوتے رہنا پسندیدہ ہے البتہ امام مالک رضؓ نے کثرت حاضری کو پسند نہیں کیا جس کی وجہ علماء یہ فرماتے ہیں کہ مبادا بار بار کی حاضری سے جوش محبت میں کمی نہ آجائے

(۴۲) مسجد شریف میں رہتے ہوئے حجرہ شریف کیطرف اور مسجد سے جب باہر ہو تو قبہ شریف جہاں سے نظر آتا ہو بار بار ان کو دیکھنا ان پر نظر جمائے رکھنا بھی افضل ہے اور انشاء اللہ موجب ثواب (شرح لباب و شرح مناسک نووی)

(۴۳) مدینہ منورہ کے قیام میں جتنا زیادہ سے زیادہ وقت مسجد نبوی میں گذر سکے غنیمت سمجھے قرآن پاک کم از کم ایک تو ختم کر ہی لے اور مستقل اعتکاف بھی جے دن کا نصیب ہو سکے نعمت ہے راتوں کو جتنا زیادہ عبادت میں گذر سکے بہتر ہے کہ یہ مبارک راتیں پھر کہاں ملیں گی۔ (شرح لباب)

(۴۴) زبدہ میں لکھا ہے اور بعد زیارت قبر مبارک کے ہر روز یا جمعہ کو زیارت مزارات بقیع کی بھی ظفر کرے کہ حضرت عثمان رضؓ اور حضرت عباس اور حضرت حسن اور حضرت ابراہیم اور ازواج مطہرات اور بہت سے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین وہاں تشریف رکھتے ہیں۔

(۴۵) امام غزالی نے لکھا ہے مستحب یہ ہے کہ ہر پنجشنبہ کو شہداء احد کی زیارت کرے صبح کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر چلا جائے تاکہ ظہر تک واپسی ہو جائے اور کوئی نماز مسجد نبوی کی فوت نہ ہو اور وہاں جا کر سب سے اول سید الشہداء حضرت حمزہ کے مزار پر حاضر ہو حضور کا ارشاد ہے کہ میرے سب چچاؤں میں حضرت حمزہ افضل ہیں دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب شہداء کے سردار حضرت حمزہ ہونگے وہاں جا کر حضرت حمزہ کی قبر مبارک پر نہایت ادب اور سکون سے انکی عظمت و احترام کی رعایت کرتے ہوئے کھڑا ہو اسکے بعد پھر دوسرے مزارات پر۔

(۴۶) امام نووی نے لکھا ہے کہ قبا کی حاضری کا استحباب بہت موکد ہے اور اولی یہ ہے کہ شنبہ کے دن حاضر ہو اس حاضری میں اسکی زیارت کی نیت ہو اور اسکی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت ہو اسلئے کہ ترمذی شریف وغیرہ میں صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنا بمنزلہ عمرہ کرنیکے ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ کے دن مسجد قبا تشریف لیجاتے تھے۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ مسجد مکہ مسجد مدینہ مسجد اقصی کے بعد سب مساجد سے افضل مسجد قبا ہی ہے

(۴۷) انکے بعد مدینہ پاک کے دوسرے متبرک مقامات کی زیارت اولی ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ مستحب ہے یہ کہ مدینہ منورہ کے متبرک مقامات کی زیارت کرے جو تقریباً تیس مواضع ہیں اہل مدینہ ان کو جانتے ہیں اور اسی طرح سے ان سات کنووں کا پانی پئے جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کرنا یا غسل کرنا وارد ہوا ہے۔

(۴۸) وہاں کے قیام میں صدقات کی کثرت رکھے بالخصوص مدینہ پاک کے رہنے والوں پر صاحب لباب نے لکھا ہے کہ مدینہ کے مستقل رہنے والے ہوں یا باہر کے لوگ جو وہاں آکر مقیم ہو گئے ہوں وہ باہر کے رہنے والوں پر مقدم ہیں اسلئے کہ مدینہ کے رہنے والوں سے محبت واجب ہے امام نووی نے لکھا ہے کہ مدینہ کے قیام میں جتنے زیادہ سے زیادہ روزے رکھ سکے رکھے اور جتنا زیادہ ممکن ہو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں پر صدقہ کرے کہ یہ بھی حضور ہی کی خدمت گزاری میں داخل ہے۔

(۴۹) سب اہل مدینہ کے ساتھ ہر بات میں حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرے کہ وہ حضور کے پڑوسی ہیں علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ وہاں کے رہنے والوں کا اکرام کرو اور اگر ان میں سے بعض کے متعلق کوئی ایسی بات کہی گئی ہے یعنے کوئی نامناسب حرکت ان کی معلوم بھی ہو تب بھی وہ حضور کے

پڑوسی ہونے کے شرف سے تو بہرہ اندوز ہیں ہی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد کہ جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارہ میں بار بار وصیت کرتے رہے ہر پڑوسی کو شامل ہے اس میں اچھے برے کی تخصیص نہیں ہے۔

فیاساکنی اکناف طیبۃ کلکم ؛؛ الی القلب من اجل الحبیب حبیب

(اے طیبہ کے رہنے والو تم سب کے سب میرے دلکو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیوجہ سے محبوب ہو)

حضرت امام مالکؒ جب امیر المومنین مہدی کے پاس تشریف لیگئے تو بادشاہ نے درخواست کہ مجھے کچھ وصیت فرما دیجئے حضرت امام نے فرمایا سب سے اوّل اللہ جل شانہ کا خوف اور تقوی اختیار کرنا اسکے بعد اہل مدینہ پر مہربانی کہ وہ حضور کے شہر کے رہنے والے حضور کے پڑوسی ہیں مجھے حضور کا یہ ارشاد پہونچا ہے کہ مدینہ میری ہجرت کی جگہ ہے اسی میں میری قبر ہوگی اسی سے میں قیامت کے دن اٹھوں گا اسکے رہنے والے میرے پڑوسی ہیں میری امت کے ذمہ ضروری ہے کہ انکی نگہبانی کریں جو میری وجہ سے انکی خبر گیری کرے گا میں اسکے لئے قیامت میں شفیع یا گواہ بنوں گا اور جو میرے پڑوسیوں کے بارہ میں میری وصیت کی رعایت نہ کرے حق تعالیٰ شانہ اس کو طینۃ الخبال پلائے دوسری حدیث میں ہے کہ طینۃ الخبال جہنمی لوگوں کا نچوڑ ہے یعنی پسینہ لہو پیپ وغیرہ (وفاء اول)

(۵۰) امام نووی نے لکھا ہے کہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مدینہ طیبہ کے پورے قیام میں اس شہر کی عظمت اور بزرگی کا استحضار رہے اور یہ بات تصور میں رہے کہ اللہ جل شانہ نے اس پاک شہر کو اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کیلئے پسند فرمایا اور یہاں حضور کا قیام اور اس کو وطن بنانا مقدر فرمایا اور سوچا کرے کہ اس کے گلی کوچوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے پھرتے تھے صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ بیٹھتے تھے اور اسی سرزمین میں حضرات صحابہ آپ کی صحبتوں سے مشرف ہوتے اور دیدار و مشاہدہ سے سعادت حاصل کرتے تھے۔

چمن کے تخت پر جسدم شہ گل کا تجمل تھا ؛؛ ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اک شور تھا غل تھا

جب آئے دن خزاں کے کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں ؛؛ بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

اسکے بعد اسپر افسوس اور رنج وغم کرے کہ میں حضور کی اور صحابہ کرام کی بھی زیارت سے محروم رہ گیا اور دنیا میں تو یہ محرومی ہو ہی گئی آخرت کا حال معلوم نہیں کیا ہو کہیں دربار سے ہٹا نہ دیا جاؤں اور اپنی

بداعمالیاں حاضری میں مانع نہ بنجائیں اسلئے کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت میں بعض آدمی میرے پاس سے ہٹادئے جائیں گے میں کہوں گا کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں تو جواب ملیگا کہ تمھیں معلوم نہیں کہ تمھارے بعد انھوں نے کیا کیا بس اگر تم نے حضور کی شریعت مطہرہ کے احترام کی خلاف ورزی کی تو اس سے بیفکر نہ رہو کہ کسی وقت یہ بے راہی تمھارے اور حضور کے درمیان حائل نہ ہو جائے اور اسکے ساتھ ہی اللہ کی پاک ذات سے امیدیں وابستہ رکھو کہ جب اس نے دنیا میں اتنے دور وطن سے اس بار کی حاضری کی سعادت نصیب فرمائی تو اسکے لطف وکرم سے بعید نہیں کہ آخرت کی بابرکت زیارت سے محروم نہ فرمائیگا۔ حق تعالیٰ شانہ اس سعادت سے اس سیہ کار کو بھی نوازدے۔ آمین یا رب العالمین بوسیلۃ نبیک سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۵۱) جب زیارت سید الانس والجان فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور زیارت مشاہد متبرکہ سے فراغت کے بعد واپسی کا ارادہ ہو تو ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ مسجد نبوی میں دو رکعت نفل الوداعی پڑھے اور روضہ میں ہو تو بہتر ہے اسکے بعد قبر اطہر پر الوداعی سلام کے لیئے حاضر ہو۔ صلوٰۃ وسلام کے بعد اپنے ضروریات کیلئے دعائیں کرے اور حج وزیارت کی قبولیت کی دعائیں کرے اور خیر وعافیت کے ساتھ وطن پہونچنے کی دعا کرے اور یہ دعا کرے کہ یہ حاضری آخری نہ ہو پھر بھی اس پاک دربار کی حاضری نصیب ہو اور اس کی کوشش کرے کہ رخصت کے وقت کچھ آنسو نکل آئیں کہ یہ قبولیت کی علامات میں سے ہے اگر رونا نہ آوے تب بھی رونے والوں کی سی صورت کے ساتھ حسرت ورنج وغم ساتھ لئے ہوئے واپس ہو اور چلتے وقت بھی کچھ صدقہ جو میسر ہو کرے اور سفر سے واپسی کے وقت جو دعائیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں وہ پڑھتے ہوئے اور واپسی سفر کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے واپس ہو۔

اُٹھ کے ثاقب گو چلا آیا ہوں اسکی بزم سے ❊ دل کی تسکین کا مگر ساماں اسی محفل میں ہے

اپنی نااہلیت سے حاضری کے آداب پورے نہ لکھ سکا نمونہ کے طور پر چند آداب لکھدیئے ہیں ناظرین اس سے اندازہ لگائیں اور دو اصول اسکے تحت میں شریعت مطہرہ کے دائرہ کے اندر رہ کر جو کچھ کرسکتے ہوں کسر نہ چھوڑیں اول ادب واحترام دوسرے شوق وذوق اسکے بعد زائرین کے چند واقعات پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ انکے حالات بھی نمونہ اور اسوہ ہیں۔

(۱) حضرت اویس قرنی مشہور تابعی ہیں سید التابعین ان کا لقب ہی حضور کا زمانہ انھوں نے پایا ہے مگر ماں کی خدمت کیوجہ سے حضور کی خدمت میں حاضری سے قاصر رہے حضور سے انکے متعلق نقل کیا گیا کہ بہترین تابعی اویس قرنی ہیں ایک روایت میں انکے متعلق آیا ہے کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھالیں تو اللہ جل شانہ اسکو پورا کریں ایک حدیث میں انکے متعلق آیا ہے کہ جو تم سے ملے ان سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کرائے۔ ایک حدیث میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو حضور نے ارشاد فرمایا کہ ان سے اپنے لئے استغفار کرائیں بڑے فضائل انکے احادیث میں وارد ہیں جب حج کیا اور مدینہ طیبہ کی حاضری پر مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو کسی نے اشارہ سے بتایا کہ یہ ہے قبر اطہر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بیہوش ہو کر گر پڑے جب غشی سے افاقہ ہوا تو فرمانے لگے کہ مجھے لیچلو مجھے اس شہر میں چین نہیں ہے جس میں حضور مدفون ہوں۔ (اتحاف)

(۲) ایک بدو قبر اطہر پر حاضر ہوئے اور کھڑے ہو کر عرض کیا یا اللہ تو نے غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیا ہے یہ تیرے محبوب ہیں اور میں تیرا غلام ہوں اپنے محبوب کی قبر پر مجھ غلام کو آگ سے آزادی عطا فرما۔ غیب سے ایک آواز آئی کہ تم نے اپنے تنہا کے لئے آزادی مانگی تمام آدمیوں کیلئے آزادی کیوں نہ مانگی ہم نے تمھیں آگ سے آزادی عطا کی (مواہب)۔

(۳) اصمعی کہتے ہیں کہ ایک بدو قبر شریف کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا اللہ یہ آپ کے محبوب ہیں اور میں آپ کا غلام اور شیطان آپ کا دشمن اگر آپ میری مغفرت فرمادیں تو آپ کے محبوب کا دل خوش ہو آپ کا غلام کامیاب ہو جائے اور آپ کے دشمن کا دل تلملانے لگے اور اگر آپ مغفرت نہ فرمائیں تو آپ کے محبوب کو رنج ہو اور آپ کا دشمن خوش ہو اور آپ کا غلام ہلاک ہو جائے یا اللہ عرب کے کریم لوگوں کا دستور یہ ہے کہ جب ان میں کوئی بڑا سردار مرجائے تو اسکی قبر پر غلاموں کو آزاد کیا کرتے ہیں اور یہ پاک ہستی سارے جہانوں کی سردار ہے تو اسکی قبر پر مجھے آگ سے آزادی عطا فرما اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ اے عربی شخص اللہ جل شانہ نے تیرے اس بہترین سوال پر (انشاء اللہ) تیری ضرور بخشش کردی (مواہب)

(۴) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حاتم اصم بلخی جو مشہور صوفیہ میں ہیں کہتے ہیں کہ تیس برس تک ایک قبہ میں انھوں نے چلہ کیا تھا کہ بے ضرورت کسی سے بات نہیں کی جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے تو آنا ہی عرض کیا اے اللہ ہم لوگ تیرے نبی کی قبر شریف کی زیارت کو حاضر ہوئے تو ہمیں نامراد واپس نہ کیجیو غیب سے ایک آواز آئی کہ ہم نے تمھیں اپنے محبوب کی قبر کی زیارت نصیب ہی اسلئے کی کہ اس کو قبول کریں جاؤ ہم نے تمھاری اور تمھارے ساتھ جتنے حاضرین ہیں سب کی مغفرت کردی۔ (زرقانی علی المواہب) بعض اوقات الفاظ چاہے کتنے ہی مختصر ہوں جب اخلاص سے نکلتے ہیں تو وہ سیدھے پہونچتے ہیں۔

(۵) شیخ ابراہیم بن شیبان فرماتے ہیں کہ میں حج سے فراغت پر مدینہ منورہ حاضر ہوا اور قبر اطہر پر حاضر ہوکر میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا تو حجرہ شریف کے اندر سے میں نے وعلیک السلام جواب میں سنا (قول بدیع)۔

(۶) سید احمد رفاعی مشہور بزرگ اکابر صوفیہ میں ہیں انکا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ میں حج سے فارغ ہوکر زیارت کیلئے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے مقابل کھڑے ہوئے تو یہ دو شعر پڑھے ؎

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلہا	دوری کی حالت میں اپنی روح کو خدمت اقدس میں
تقبل الارض عنی وھی نائبتی	بھیجا کرتا تھا وہ میری نائب بنکر آستانہ مبارک
وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت	چومتی تھی۔ اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے
فامدد یمینک کے تحظی بہا شفتی	اپنا دست مبارک عطا کیجیے تاکہ میرے ہونٹ

اس کو چومیں اس پر قبر شریف سے دست مبارک باہر نکلا اور انھوں نے اس کو چوما (الحاوی للسیوطی) کہا جاتا ہے کہ اس وقت تقریباً نوے ہزار کا مجمع مسجد نبوی میں تھا جنھوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور کے دست مبارک کی زیارت کی جن میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبد القادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ (البنیان المشید)

(۷) سید نور الدین ایجی شریف عفیف الدین کے والد ماجد کے متعلق لکھا ہے کہ جب وہ روضۂ مقدسہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو سارے مجمع نے جو وہاں حاضر تھا سنا کہ قبر شریف سے وعلیک السلام یا ولدی کا جواب ملا۔ (الحاوی)

(۸) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ ہوئے تو ایک بدو حاضر ہوئے اور قبر اطہر پر پچھڑ کر گر گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے جو کچھ

ارشاد فرمایا وہ ہم نے سنا اور جو اللہ جل شانہ کیطرف سے آپ کو پہونچا تھا اور آپنے اس کو محفوظ فرمایا تھا اس کو ہم نے محفوظ کیا اس چیز میں جو آپ پر اللہ جل شانہ نے نازل کی (یعنی قرآن پاک) یہ وارد ہے۔ ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما (اگر یہ لوگ جب اُنھوں نے اپنے نفس پر ظلم کر لیا تھا آپ کے پاس آجاتے اور اللہ جل شانہ سے معافی مانگ لیتے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کے لئے معافی مانگتے تو ضرور اللہ جل شانہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پاتے) اسکے بعد اس بدو نے کہا بیشک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اب میں آپ کے پاس مغفرت کا طالب بنکر حاضر ہوا ہوں اسپر قبر اطہر سے آواز آئی کہ بیشک تمھاری مغفرت ہو گئی (حاوی)

(۹) مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ جنکو ابن ثابت کہا جاتا تھا رہتے تھے ساٹھ سال تک ہر سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیئے بھی حاضر ہوا کرتے تھے اور زیارت کرکے واپس آجاتے ایک سال کسی عارض کیوجہ سے حاضر نہ ہوسکے کچھ غنودگی کی حالت میں اپنے حجرہ میں بیٹھے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حضور نے ارشاد فرمایا ابن ثابت تم ہماری ملاقات کو نہ آئے اسلئے ہم تم سے ملنے آئے ہیں (حاوی)

(۱۰) ایک عورت حضرت عائشہ رض کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی زیارت کرادو حضرت عائشہ رضؓ نے حجرہ شریفہ کے اس حصہ کو جس میں قبر شریف تھی پردہ ہٹا کر کھولا وہ عورت قبر شریف کی زیارت کرکے روتی رہیں اور روتے روتے وہیں انتقال کرگئیں رضی اللہ عنہا وارضاہا (شفاء)

پیامِ حمید

(از مرحوم حمید صدیقی لکھنوی)

بہت ہے تجھ سے اُمیدِ تعاون — لگی ہے ایک مدت سے یہی دُھن
سُن اے جانِ محبت آشنا، سُن! — نسیما جانبِ بطحا گذر کُن
زاحوالم محمدؐ را خبر کُن

کہاں تک کاہشِ غم یا محمدؐ — کہاں تک اشکِ پیہم یا محمدؐ
کہاں تک دامنِ نم یا محمدؐ — توئی سُلطانِ عالم یا محمدؐ
زراہِ لُطف سوئے من نظر کُن

بہت مدت سے اے شوقِ سراپا — مری نظریں بھی ہیں بیتابِ جلوہ
کہاں تک آہ یہ اِمروز و فردا — ببر ایں جانِ مشتاقم دراںجا
فدائے روضۂ خیر البشرؐ کُن

بجانِ دردمندانِ محبت — بپاسِ گوشۂ دامانِ رحمت
حمیدِ خستہ پر ہو پھر عنایت — مشرف گرچہ شد جامیؔ زِ لُطفت
خدایا ایں کرم بارِ دگر کُن

حج کیا ہے؟

(از جناب مولٰنا سید مناظر احسن گیلانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

کثرتوں کا ارتکازی مجموعہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، ہاتھی کا کوہ پیکر جثہ ہو یا برگد کے پھلوں کا خشخاشہ ہر ایک میں دیکھا جارہا ہے کہ ان کے بکھرے ہوئے اجزاء کی پیوستگی اور باہمی ارتباط کو قائم رکھنے اور اپنے اپنے نوعی کمالات کو نشو و نما ارتقاء و بالیدگی کے آخری نقاط تک پہونچانے کیلئے بھی ایک ایسا مرکزی نقطہ ہر ایک میں پایا جاتا ہے کہ اس مرکزی نقطہ کے وجود کو اس سے اگر نکال لیا جائے تو ایک طرف سارے سمٹے ہوئے اجزاء بکھر جائیں گے اور دوسری طرف بیرونی فیوض کو جذب کر کے ارتقاء و نشو و نما کے جس عمل کو یہ مرکزی نقطہ جاری رکھے ہوئے تھا یہ عمل بھی رک جائے گا۔

میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کو مثال سے سمجھئے آم کی گٹھلی یا اسی قسم کے پھلوں کے تخم کو آپ نے دیکھا ہوگا، آپ جانتے ہیں کہ آم کا درخت اسی گٹھلی سے برآمد ہوتا ہے، پتے، شاخیں، پھول، پھل کا ایک طوفان ہوتا ہے جو اسی گٹھلی کی راہ سے اپنی اپنی شکلوں کے ساتھ باہر نکل نکل کر آم کے درخت کا جز بنتا رہتا ہے۔ لیکن آم کی اسی گٹھلی کو چیرئیے اس میں ایک چیز آپ کو نظر آئے گی جسے تخموں اور گٹھلیوں کا انکھوا کہتے ہیں، آپ جانتے ہیں کہ گٹھلی سے اس انکھوے کو نکال لینے کے بعد خواہ کتنی ہی اچھی نرم اور پاکیزہ زمین میں اس کو بویا جائے اور چشموں کے کیسے ہی صاف و شفاف پانی سے اس کی آبیاری کی جائے لیکن بجائے اس کے کہ اس گٹھلی سے پودا نکلے آپ دیکھیں گے کہ گٹھلی سڑتی چلی جارہی ہے تا اینکہ بالآخر سڑ سڑا کر اس کے اجزاء مٹی میں مل کر ادھر ادھر غائب ہو جائینگے۔

حاصل یہی ہے کہ گٹھلیوں کا یہی مرکزی نقطہ وہ نقطہ ہے کہ دیکھنے میں خواہ کتنا بھی بے حیثیت اور معمولی چیز نظر آتا ہو لیکن کسی درخت کے شجری نظام اور اس کے سارے آثار و نتائج کا حصول

یقیناً اسی مرکزی نقطہ کے ساتھ وابستہ ہے اس کو نوچ کر گٹھلی سے اگر الگ کر لیا جائے تو سارے فیوض جن سے درخت کا تنہ، اس کی ڈالیاں، شاخیں، پتے، پھول، پھل جو مستفید ہوتے رہتے ہیں ان کا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔

الغرض حیوانی و انسانی اجسام میں جو حیثیت قلب کی ہے اور نباتی حقائق کے لحاظ سے جو اہمیت گٹھلیوں کے اس مرکزی نقطہ کی ہے جسے عوام گٹھلیوں کا انکھوا کہتے ہیں، دل یہ پوچھتا ہے کہ مٹی کا یہ تودہ جس کا نام زمین اور دھرتی ہے، جس سے علاوہ عناصر اور معدنی مرکبات کے نباتی، حیوانی، انسانی ہستیوں کی بے پناہ موجیں اُبل رہی ہیں، ان ساری پیداواروں کے لئے زمین بھی اپنے اندر کیا کوئی ایسی چیز رکھتی ہے جسے ارضی فیوض و برکات کا مرکزی نقطہ ٹھہرایا جائے؟ کیا اس کا بھی کوئی دل ہے؟ جس سے مختلف ارضی پیداواروں کی رگوں میں نشو و نما اور ارتقا و بقا، کا خون دوڑ رہا ہے، یا یوں پوچھئے کہ یہ خاکی گٹھلی بھی اپنے اندر کیا کوئی ایسا انکھوا رکھتی ہے کہ اسی کے ساتھ ان ساری چیزوں کا قیام وابستہ ہو جو زمین سے پیدا ہو رہی ہیں اور تمام خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے اس خاکی کرے کی پشت پر نمایاں ہو ہو کر جسد ارضی پر اپنے اقتضائی کمالات کو حاصل کرتی چلی جا رہی ہیں، نہ ماننے والوں سے ابھی بحث نہیں، لیکن جنھوں نے مانا ہے، کہ

جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ ؕ (المائدہ)	بنایا اللہ نے الکعبہ کو جو البیت الحرام (محترم گھر) ہے سارے انسانوں کے قیام کا ذریعہ۔

یہ اسی کی خبر ہے جو زمین کا اور زمین میں جو کچھ ہے سب کا پیدا کرنے والا ہے، اب خود بتائیے کہ اس صورت میں ان سوالوں کے جواب میں ایک مومن بالقرآن کی نظر "کعبہ" کے سوا کیا کسی دوسری چیز پر پڑ سکتی ہے "وہی الکعبہ البیت الحرام" جس کا تذکرہ کرتے ہوئے اسی قرآن میں قیام و بقا سے بھی آگے بڑھ کر۔

اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ (البقرہ)	اور دیکھو جب بنایا ہم نے اسی "البیت" (گھر) کو انسانوں کیلئے مثابہ اور امن کا ذریعہ

کی بھی جب تصریح کر دی گئی ہو مثابۃ کی لغوی و اصطلاحی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی اپنے مفردات میں لکھتے ہیں :-

سمی مکان المستقی علی فم البیر مشابۃ ؎ — پینے والوں کیلئے کنویں کے منھ پر جو جگہ ہوتی ہے اسی کو مثابہ کہتے ہیں۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ پینے والوں کو کنویں کا پانی جس خاص جگہ سے پلایا جاتا ہے، اسی کو عربی میں "مثابہ" کہتے ہیں، اب سوچئے کہ یہی حیثیت "مثابہ" ہونے کی جب "الکعبہ" کو حاصل ہے تو حاصل اس کا بجز اس کے اور کیا ہوا کہ سارے فیوض و برکات جو زمین کے اس کرے پر تقسیم ہو رہے ہیں ان کے گذرنے کا مرکزی نقطہ یہی "الکعبہ" ہے، اور صرف "مثابہ" ہی نہیں بلکہ اسی آیت کے لفظ "امنا" سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ امن و امان کی بھی ساری ذمہ داری قدرت نے اسی "البیت الحرام" کے ساتھ وابستہ فرما دی ہے، الغرض یہاں جس کسی کو جہاں کہیں جو کچھ بھی مل رہا ہے اسی "الکعبہ" کی راہ سے مل رہا ہے، یہ قرآن کے نصوص صریحہ کا اقتضاء ہے، گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ ساری کائنات کے ساتھ "العرش" کی نسبت قرآن نے جو بیان کی ہے کہ الرحمٰن اسی "العرش" کو مرکز بنا کر اپنی رحمتیں دنیا میں تقسیم فرما رہا ہے، یہی نسبت زمین کے خاص کرے کے ساتھ الکعبہ بھی رکھتا ہے، روایتوں میں "الکعبہ" کے متعلق اس قسم کے الفاظ جو پائے جاتے ہیں، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب کر کے رب العزت نے فرمایا، کہ

یا آدم اھبطت لک بیتا تطوف به کما یطاف حول العرش وتصلی عندہ کما یصلی عند عرشی ؎ (تاریخ الخمیس عن قتادۃ و عطاء صفحہ ۸۹/۱)

اے آدم اتارا ہے میں نے تیرے لئے ایک گھر، تو اس گھر کا اسی طرح طواف کریگا جیسے "العرش" کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور تو اس گھر کے آگے اسی طرح نماز پڑھے گا جیسے میرے عرش کے سامنے نماز پڑھی جاتی ہے۔

؎ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ بعض لوگ قرآن کے بعض الفاظ مثلاً "الناس" ہی کے معنے جو لغت میں ہیں اسکو چھوڑ کر من مانے معنی لکھ دیتے ہیں مثلاً "الناس" سے مراد اہل مکہ لیتے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ لغوی معنے کو چھوڑنے کی وجہ کیا ہوئی جبکہ کافۃ للناس، یا رب الناس، ملک الناس وغیرہ میں یہی لوگ "الناس" کے وہی معنی بیان کرتے ہیں جسکے سوا لغۃً اس لفظ کا دوسرا ترجمہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ جہانتک میرا خیال ہے غیر شعوری طور پر کچھ اس قسم کا احساس ان لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ قرآن جس ماحول میں نازل ہوا ہے اسکے لحاظ سے زیادہ وسیع معانی پر قرآنی الفاظ کا اطلاق کچھ ان کیلئے نا قابل برداشت سی بات ہوتی ہے، کاش! وہ سمجھتے کہ اس قسم کا احساس انکے ایمانی دعوے کی تکذیب تو نہیں ہے، بیشک جس ماحول میں قرآن نازل ہوا وہ جاہلی ماحول تھا لیکن جو نازل کر رہا تھا کیا اس کا علم محدود جاہلی ماحول کا تابع تھا!۔

اور ایک یہی روایت نہیں بلکہ اسی قسم کے الفاظ دوسری روائتوں میں جو پائے جاتے ہیں اُن سے بھی اسی مسئلہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ کرہ ارض کا "قلب" اور وہ مرکزی نقطہ جس سے سارے برکات و فیوض اس زمین پر بٹ رہے ہیں وہ یہی "الکعبہ" ہے۔ اور روائتوں کو تو جانے دیجئے، میں پوچھتا ہوں کہ مشہور قرآنی آیت

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

سب سے پہلا گھر جو لوگوں کیلئے بنایا گیا وہ قطعاً وہی ہی جو "مکہ" میں ہے جو سارے جہانوں کیلئے مُبارک بھی ہے اور انکی ہدایت کا سرچشمہ بھی۔

کے بعد تو اس قسم کی روائتوں سے تائید حاصل کرنے کی بھی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہتی، آخر روائتوں سے اور کیا معلوم ہوتا ہے، یہی تو کہ زمین کے کرے پر سب سے پہلا نقطہ جو متعین کیا گیا یہ وہی حصہ ہے جسے "الکعبہ" کی دیواریں اس وقت تک گھیرے ہوئے ہیں، روائتوں پر تو یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ کا مشاہدہ کرنے والا اس وقت کون موجود تھا؟ لیکن قرآن کی خبروں کو جو یقین کرتے ہیں کہ خالق کائنات کی دی ہوئی خبریں ہیں ان کے لئے تو اس شبہ کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی کیونکہ یہ تاریخی شہادت تو اسی کی ہے جو اس وقت بھی موجود تھا، جب نہ زمین پھیلائی گئی تھی اور نہ آسمانوں کے خیمے تانے گئے تھے اور اس وقت بھی، وہ غائب نہ تھا جب "الناس" یعنی نسلِ انسانی کے لئے یہ سب سے پہلا گھر بنایا جا رہا تھا۔ بلکہ اس واقعہ کی خبر دینے والا ہی جب وہ ہے جس نے حد بندی کے اس عمل سے زمین کے اس خاص حصہ کو امتیاز بخشا ہے تو اس سے بڑھ کر یقینی خبر اور کس کی ہو سکتی ہے۔

یہی نہیں بلکہ آگے، "مُبَارَكًا" کے لفظ کا اضافہ جو اس آیت میں کیا گیا ہے اس کا مطلب آپ خود سوچئے کہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ برکتوں کا خزینہ اور فیوض کا حقیقی دفینہ بھی زمین کے اسی حصہ کو بنایا گیا یہی وہ قدرتی سرچشمہ ہے جس سے برکتیں اُبل رہی ہیں اور وہیں سے چھلک چھلک کر ساری دنیا میں تقسیم ہو رہی ہیں اور یہ میں اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ "العالمین" یعنی سارے جہانوں کے لئے راہ نمائی اور ہدایت کا توحیدی نظام جب قائم کیا گیا اور نبوت کو ختم کر کے "العالمین" کی ہدایت کا مرکزی مقام مکہ منتخب ہوا جیسا کہ "ھدی للعالمین" کے الفاظ کا اقتضا ہے تو یہ اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ مادی برکتوں کا سرچشمہ جو مقام تھا اُسی کو دینی و اخلاقی تعلیمات کی اشاعت کا مرکز بھی

مقرر کیا گیا، آخر "للعالمین" کے لفظ کا تعلق صرف "ھدی" ہی کے لفظ سے کیوں سمجھا جائے، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ "مُبارکًا" کے لفظ کو بھی "للعالمین" سے مربوط سمجھنا چاہئے۔

مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ ان صریح نصوص اور واضح بیّنات کی روشنی میں بھی "ام القری" (جو مکہ کا قرآنی نام ہے) اس کے سمجھنے یا سمجھانے سے لوگ کیوں گریز کرتے رہے ہیں "القری" کا لفظ یقیناً ایک عام اور مطلق لفظ ہے ان ساری آبادیوں کو حاوی ہے جو بسیط زمین کے کسی گوشہ میں شرقاً و غرباً شمالاً و جنوباً پہلے پائی گئی ہوں، یا اب پائی جاتی ہوں، یا آئندہ پائی جانے والی ہوں، وہ ایشیا میں ہوں یا افریقہ میں امریکہ میں ہوں، یا یورپ میں۔ قرآنی الفاظ کے مستند شارح علامہ راغب نے بھی "ام القری" کی یہی تشریح کرتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ان الفاظ کو نقل کیا ہے کہ

ان الدنیا دحیت من تحتھا — ساری دنیا اسی کے نیچے سے پھیلائی گئی

اشارہ اسی برکاتی مرکزیت کی طرف ہی جسے قرآن میں "مبارکًا" کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔

بلکہ بجائے "مکہ" کے اسی آبادی کے دوسرے نام یا تلفظ یعنی "بکّۃ" کے لفظ کو قرآن نے یہاں جو اختیار کیا ہے میرے خیال میں یہ بھی کوئی اتفاقی بات نہیں ہے نزول قرآن سے صدیوں پہلے "الکعبۃ" کی اسی عالمگیر اہمیت کا انکشاف کرتے ہوئے پیغمبر داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں ان والہانہ تمہیدی فقرات کے بعد، کہ

"اے لشکروں کے خداوند تیرے مسکن کیا ہی دلکش ہیں، میری رُوح خداوند کی بارگاہ کے لئے آرزومند بلکہ گداز ہوتی ہے۔ میرا من، میرا تن زندہ خدا کے لئے للکارتا ہے۔"

پھر اس کی مثال دیتے ہوئے کہ ہر چیز ایک مرکز رکھتی ہے فرماتے ہیں:۔

"گوریّے نے بھی اپنا گھونسلا، اور ابابیل نے بھی اپنا آشیانہ پایا ہے جہاں وہ اپنے بچے رکھیں۔"

آخر میں زبور کا یہ مشہور فقرہ ہے، کہ

"مبارک وہ انسان ہیں جن میں قوت تجھ سے ہے، اور ان کے دل میں تیری راہیں ہیں، وے بکّہ کی وادی میں گذر کرتے ہیں، اور اسے ایک کنواں بناتے ہیں،"

پہلی برسات اسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی ہے"

یہ داؤدؑ کی کتاب "زبور" کے مزبور ۸۴ کے فقرے ہیں جس میں چاہ زمزم ہی کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ قرآنی لفظ "مبارک" کے مفہوم کو بھی خاص پیرایہ میں ادا کر دیا گیا ہے، پہلی برسات الرحمٰن کی پہلی توجہ ہے جو کرہ زمین کی آبادی کے لئے کی گئی۔

میں جانتا ہوں کہ آج کل زبور کے جو تراجم شائع ہو رہے ہیں اُن میں "بکہ" کے لفظ کو اپنی اصلی صورت پر چاہا گیا ہے کہ باقی نہ رکھا جائے بعض نسخوں میں بجائے "وادیٔ بکہ" کے "وادیٔ بقا"[1] اور بعضوں میں "وادیٔ بکا" کے الفاظ پائے جاتے ہیں، لیکن دور جانے کی ضرورت نہیں، مسلمانوں میں آج کل سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں جو کتاب سب سے زیادہ مقبول اور عموماً ہر جگہ مل سکتی ہے، اس میں آپ مشہور عیسائی عالم جو نسلاً یہودی تھا یعنی پروفیسر مارگولیوتھ کی یہ شہادت پڑھ سکتے ہیں جس میں اس نے بیان کیا ہے کہ بجز مکہ معظمہ کے زبور کا یہ "بکہ" اور کوئی دوسرا مقام نہیں ہو سکتا۔ اور یہی میرا خیال ہے کہ بجائے عام اور مشہور نام "مکہ" کے یہ بتاتے ہوئے کہ یہی سب سے پہلا گھر ہے۔ مندرجۂ بالا آیت میں "بکہ" کے نام اور تلفظ کو جو اختیار کیا گیا ہے تو یہ اشارہ غالباً اسی مزبور (۸۴) کی طرف ہے جس میں داؤد علیہ السلام نے "بکہ" ہی کے لفظ سے اس کو یاد کیا ہے جو "الکعبہ" کی قدامت کے لئے یقیناً ایک اہم تاریخی وثیقہ ہے موجودہ زمانہ کے حساب سے تین ہزار سال سے کم پرانی شہادت یہ نہیں ہے، لیکن داؤد علیہ السلام کا زمانہ تو نسبتاً بعد کا زمانہ ہے اُن سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب نوشتے جو بائبل کے موجودہ مجموعہ میں پائے جاتے ہیں، اس میں "الکعبہ" کے متعلق آپ کو مسلسل تاریخی شہادتیں ملتی چلی جائیں گی تورات کا فقرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق، کہ

"اس نے بیت ایل کے پورب کے ایک پہاڑ کے پاس اپنا ڈیرہ قائم کیا"

---

[1] افسوس ہے کہ زبور کا وہ نسخہ اس وقت میرے پاس موجود نہیں ہے جس میں بجائے "وادی بکا" کے "وادی بقا" کا لفظ چھپا ہوا تھا، مجھے یاد پڑتا ہے کہ ۱۹۲۳ء کا مطبوعہ نسخہ تھا، دیوبند سے آتے ہوئے لکھنؤ کے اسٹیشن پر فقیر نے کسی عیسائی کتب فروش سے زبور کا یہ نسخہ لیا تھا، یہ الگ چھپا ہوا تھا۔ لوح اسکی سبز رنگ کی تھی، کاش! کسی صاحب کی نظر سے اس اڈیشن کا نسخہ گذرا ہو تو مجھے مطلع فرمائیں۔ ۱۲

یم (یعنی سمندر) اس کے پچھم اور عی اس کے پورب تھا" (تکوین باب ۱۲)

توراۃ کے جو عالم ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ بیت ایل یعنی بیت اللہ جس کے پورب طرف ابراہیم نے اپنا ڈیرا گاڑا تھا، یہ وہی "الکعبہ" (بیت اللہ الحرام) کا مرکزی نقطہ تھا جہاں بعد کو حضرت ابراہیم نے اپنے صاحبزادے اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ گھر اٹھایا تھا، یم یعنی سمندر کا الکعبہ کے مغربی سمت میں ہونا تو ایک عام کھلی ہوئی حقیقت ہے، رہا "عی" قدیم جغرافیہ عرب کا مطالعہ اس کے لئے کرنا چاہیئے کم از کم مقدمہ تفسیر غایۃ البرہان ہی کو پڑھ لیا جائے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کی کتاب استثنا یا ثنی کا مشہور فقرہ

"خداوند سینا سے آیا، اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس[1] ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا" (باب ۳۳، درس ۲)

بائبل کی جغرافیائی تحقیق بھی اسی نتیجہ تک پہونچاتی ہے کہ فاران یا پاران سے اسی خطے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں "الکعبہ" واقع ہے، اور بخاری کی روائت بھی بتاتی ہے کہ کعبہ والے شہر مکہ میں دس ہزار صحابیوں کے ساتھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) داخل ہوئے تھے، فاران کی پوری تحقیق خطبات احمدیہ مولفہ سرسید مرحوم میں پڑھی جاسکتی ہے۔

بہر حال اگرچہ بگاڑنے اور چھپانے، مشتبہ کرنے کی مسلسل کوششوں کی آماجگاہ بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے یہ نوشتے صدیوں سے بنے ہوئے ہیں، لیکن بچی کھچی جو چیزیں اس وقت تک ان کتابوں میں پائی جاتی ہیں جن میں کرہ زمین کے اس مرکزی "مقام مبارک" کا تذکرہ کیا گیا ہے اگر سب کو جمع کیا جائے تو وہ کافی ضخیم رسالہ بن سکتا ہے ایسا رسالہ جسے دیکھ کر اضطراراً اس قرآنی دعویٰ یعنی

یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم[2] (اہل کتاب) جانتے ہیں اس "الکعبہ" کو اسی طرح جیسے پہچانتے ہیں وے اپنے بچوں کو۔

---

[1] دلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ ابھی تازہ اڈیشن بائبل کا بزبان اردو جو شائع ہوا ہے اس میں "دس ہزار" کی جگہ "ہزارہا ہزار" کے الفاظ درج کر دیئے گئے ہیں۔ ۱۲

[2] اہل کتاب پہچانتے ہیں اس کو جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، یہ دعوے قرآن نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق بھی کیا ہے اور الکعبہ کے متعلق بھی۔ ۱۲

کی تصدیق و اعتراف پر آدمی مجبور ہو جاتا ہے، کاش! کسی کو توفیق ہوتی کہ اس قرآنی اشارے کی توضیح کے لئے بائبل کی ان گواہیوں کو جمع کر دیتا۔

سر دست مذکورۂ بالا چند شہادتوں پر قناعت کرتے ہوئے میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ "الکعبہ" کے متعلق اسلامی کتابوں میں جو چیزیں پائی جاتی ہیں اُن کے متعلق خواہ کچھ بھی کہا جائے لیکن عہدِ اسلامی سے پہلے بنی اسرائیل کے ان نوشتوں کے متعلق بھی کیا اس شبہ کی گنجائش ہو کہ مسلمانوں نے اپنی طرف سے ان الفاظ کا اسرائیلی کتابوں میں اضافہ کر دیا ہے اور یہ کتابیں تو خیر مذہب و دین سے تعلق رکھتی ہیں مگر مسلمانوں سے پہلے بہت پہلے یونان و روم کے مورخوں کی کتابوں میں سرزمین عرب کے اس پرانے معبد (الکعبہ) کا ذکر جن الفاظ میں پایا جاتا ہے، یونانیوں کے قدیم مورخ ہیرو ڈوٹس یا رومی مورخ سیس لس کی تاریخوں سے لوگوں نے جو فقرے نقل کئے ہیں مولانا شبلی مرحوم کی سیرت میں بھی آپ کو وہ مل سکتے ہیں اُن کو دیکھنے کے بعد یہ دعویٰ کیا غیر تاریخی یا بے بنیاد ٹھہرایا جا سکتا ہے کہ پشت زمین پر آج جتنے مکانات پائے جاتے ہیں ان میں کوئی مکان یا گھر قرآن کے اس "اول البیت" کے مقابلہ میں اس حیثیت سے اپنے آپ کو نہیں پیش کر سکتا کہ اس وقت تک مسلسل نہ صرف اپنے وجود کو بلکہ احترام و عزت کی مرکزیت کو باقی رکھتے ہوئے موجودہ عہد تک چلا آیا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ بعض شہر یا دنیا کی بعض آبادیاں بہت پرانی ہیں، لیکن سوال کسی شہر اور آبادی کے متعلق نہیں بلکہ ایک مختصر سے گھر جیسا کہ "الکعبہ" ہے، اس کے متعلق میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اتنا پرانا گھر کیا اس وقت زمین کے اس کرے پر مل سکتا ہے، ہیرو ڈوٹس جو حضرت مسیحؑ سے چھ سو سال پہلے گذرا ہے اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ عرب کے اس معبد کا بہت قدیم زمانے سے لوگ احترام کرتے چلے آئے ہیں، سوچئے تو اس کا مطلب کیا ہوا؟ ولادت مسیح علیہ السلام کی طرف جو سن منسوب ہے قریب ہے کہ دو ہزار سال تک وہ پہونچ جائے، جس کے معنے یہ ہوئے کہ ہیرو ڈوٹس کی شہادت ہی تقریباً ڈھائی ہزار سال کی ہے، خیال کرنا چاہئے کہ ڈھائی ہزار سال پہلے بھی جس گھر اور مکان کے متعلق یہ خبر دی جاتی ہو کہ بہت قدیم زمانے سے لوگ اس کا احترام کرتے چلے آئے ہیں، تو اس کی قدامت کی تاریخ کتنی طویل ہو جاتی ہے، خصوصاً اسی کے ساتھ جب اس کو بھی پیش نظر رکھ لیا جائے کہ دنیا کے عام شہروں اور آبادیوں کے متعلق جن معلومات کو صحیح تاریخی معلومات قرار دیا جا سکتا ہے، ان کی عمر بسا، ڈھائی تین ہزار

سال سے آگے نہیں بڑھتی، کارتھیج ہو یا ایتھنز، پامپی ہو یا روما سب ہی کا حال یہی ہے بلکہ مشرق کے موجودہ شہروں یا قصبوں میں بعض کے متعلق قدامت کا دعویٰ جو کیا جاتا ہے اگر خرافاتی روایات اور اساطیری قصص و حکایات سے قطع نظر کر لیا جائے تو ان کی تاریخ بھی دو ڈھائی ہزار سال سے آگے متجاوز نہیں ہوتی۔

اور اب سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن نے اسی "الکعبہ" کا ذکر کرتے ہوئے منجملہ دوسرے صفات کے بعض مقامات میں اس کو "البیت العتیق" (پرانے گھر) کے نام سے جو موسوم کیا ہے یہ صفت "الکعبہ" کی صرف اضافی ہی نہیں ہے بلکہ تاریخی تحقیقات کے سلسلے کو لوگ اگر جاری رکھیں تو ان پر واضح ہوتا چلا جائے گا کہ اس مکان کی "حقیقی صفت" یہی ہے، یعنی ثابت ہوگا کہ دنیا کے تمام پرانے گھروں میں جو کبھی پائے گئے یا اب بھی کہیں پائے جاتے ہیں، سب کے مقابلے میں یہی مکان کرہ زمین کا قدیم ترین پرانا گھر ہے۔

اور سچ تو یہ ہے کہ بائبل کا "بیت ایل" اور قرآن کا "بیت اللہ" جس آبادی میں پایا جاتا ہے اس کو، اور جس ملک سے اس آبادی کا تعلق ہے اس کو، الغرض ان سب کے متعلقہ تاریخی شہادتوں کے علاوہ ان کے جغرافیائی پوزیشن پر بھی اگر توجہ کی جائے تو اس قرآنی اشارے کا مطلب سمجھ میں آسکتا ہے جسے سورۃ البقرہ میں ہم پاتے ہیں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ "امتِ اسلامیہ محمدیہ" کو خطاب کرتے ہوئے جو یہ فرمایا گیا ہے، کہ

وکذلک جعلناکم امۃ وسطا
اور اسی طرح بنایا ہم نے تم لوگوں کو وسط اور بیچ والی امت۔

ظاہر ہے کہ اس سے پیشتر جیسا کہ ہر قرآن پڑھنے والا جانتا ہے "الکعبہ" ہی کا ذکر ہے۔ فرمایا گیا ہے، کہ

لہ آج کل یہ کھنڈر رہی اس راکھ کے نیچے دبا ہوا تھا جو اٹنا کے آتش فشانی دہانے سے نکلی تھی حال میں راکھ ہٹائی گئی پورا شہر نکل آیا، بڑے دردناک مناظر اس کھنڈر میں سیاحوں کی نظر سے گزرتے ہیں۔ میرے ایک دوست کہتے تھے کہ چوراہوں پر راہ گیروں کی ہدایت کیلئے دیواروں پر بجائے ہاتھ کے انسانی شرمگاہ کی تصویریں بنی ہوئی ہیں عیاشی کی یہ آخری حد ہے۔ فاکثروا *

* فیہا الفساد فصب علیہم ربک سوط عذاب ۔ ۱۲

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

قریب ہے کہ فرومایہ لوگ یہ کہیں کہ کس چیز نے مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے پھیر دیا جس پرپہلے تھے، کہدو کہ مشرق بھی اللہ ہی کیلئے ہے اور مغرب بھی اُسی کا ہے، راہ نمائی فرماتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔

بس حاصل یہی ہوا کہ بجائے مشرقی خطوں اور مغربی اقلیموں کے مسلمانوں کو زمین کے اس حصہ میں قبلہ جو عطا کیا گیا ہے جسے پانے والے خطِ مستقیم اور اس راہ پر پائے ہیں جو نہ مشرق سے زیادہ دور ہے اور نہ مغرب سے تو یہ خدا کا فضل اور اُس کی حکمت کا اقتضاء ہے۔

بہر حال اس آیت کی صحیح تفسیر کا یہاں موقع نہیں ہے بلکہ اس وقت صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو وسط اور بیچ میں واقع ہونے والی درمیانی امت قرار دیتے ہوئے اُن کے اس حال کو اس قبلہ سے جب تشبیہ دی گئی ہے جو ان ہی مسلمانوں کا آخری قبلہ ٹھہرایا گیا، تو اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ جغرافیائی حیثیت سے قرآن مطلع کرتا ہے کہ ان کا قبلہ بھی وسط اور ایسے علاقہ میں واقع ہے جو دنیا کے معمور اور آباد علاقوں کے درمیانی حصہ ہونے کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے معنی یہی ہوئے کہ روائتوں میں "الکعبہ" یا "مکہ" کو سرۃ الارض (نافِ زمین) کے لفظ سے جو موسوم کیا گیا ہے دراصل اسی قرآنی خبر کی یہ تعبیر اور توضیح ہے، اور آج ہم جو یہ دیکھ رہے ہیں کہ مشرق و مغرب کے سارے مواصلاتی ذرائع خواہ اُن کا تعلق خشکی سے ہو یا تری سے یا فضا اور ہوا سے، تقریباً عام حالات میں ہر ایک کو اسی علاقے سے گذرنا پڑتا ہی جس میں "الکعبہ" واقع ہے، اسی طرح شمالی اور جنوبی حصّوں کے آباد علاقے جو کرہ زمین پر واقع ہیں جب اُن کا حساب کیا جاتا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ شمال میں اسّی درجہ تک، اسی طرح اس کے بالمقابل جنوب میں چالیس درجے تک عموماً انسانی آبادیاں پائی جاتی ہیں، مجموعی طور پر گویا سمجھنا چاہئے (۱۲۰) درجے تک دنیا کی آبادی شمالاً و جنوباً پھیلی ہوئی ہے، اب حساب کیجئے اسّی سے (۲۰) کو گھٹائیے تو وہ بھی ساٹھ ہوگا، اور چالیس میں بیس کا اضافہ کیجئے تو اس کی جمع بھی ساٹھ ہی ہوگی، پس معلوم ہوا کہ معمورہ کے درمیانی علاقے وہی ہوسکتے ہیں جو ۲۰ اور ۲۱ درجے پر واقع ہیں، اب اطلس اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔

وہی آپ کو جواب دے گا کہ عرب کا ملک جس میں "الکعبہ" واقع ہے اس کا محل وقوع اس سلسلے میں کہاں ہے۔

اسی کے ساتھ کیا کم اچنبھے کی بات ہے کہ رنگ اور قد و قامت شکل و صورت کی خصوصیتوں کے لحاظ سے بنی آدم چار قسموں میں جو بنٹے نظر آرہے ہیں، مثلاً یورپ کے بے رنگ اور پھیکی جلد والے لوگ، اور ان ہی کے ساتھ کالے حبشی اور افریقہ کے عام باشندے، ان دونوں قسموں کو اگر ہم ان حصوں میں پاتے ہیں جو "الکعبہ" سے بجانب مغرب واقع ہیں تو ٹھیک اسی کے بالمقابل چین کے زرد رو، اور ہندوستان کے گندم گوں سانولے لوگ ان علاقوں میں آباد ہیں جو "الکعبہ" کے مشرق میں واقع ہیں، گویا اس طریقہ سے بھی "الکعبہ" اپنے آگے پیچھے دو دو قسموں کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن نے اس "اول البیت" کا تذکرہ کرتے ہوئے جہاں یہ بتایا ہے کہ "العالمین" کی ہدایت و ارشاد کا نظام اسی مقام میں قائم ہوگا، یعنی "ھدی للعالمین" کا مرکز ساڑھے تیرہ سو سال سے یہ جگہ جو بنی ہوئی ہے اور اس سے پہلے اسی عالمگیر تبلیغی نظام کی تمہید میں یہ ابراہیم کا مقام بنا، اسی کے ساتھ "فیہ آیات بینات" (یعنی اس گھر میں اور بھی کھلی کھلی نشانیاں ہیں) ان آیات بینات اور کھلی کھلی نشانیوں کو آپ تلاش کرتے چلے جایئے۔ راز کے بعد راز کا مسلسل انکشاف آپ پر ہوتا چلا جائے گا، تاریخ کے اوراق بھی اس باب میں آپ کی مدد کریں گے جغرافیہ کے اطلسوں سے بھی آپ اس سلسلے میں اعانت حاصل کرسکتے ہیں، اقوام و امم کے آسمانی رہ نماؤں کے کلام میں بھی اس "البیت العتیق" کے متعلق اتے پتے ملتے چلے جائیں گے، اور یہ ساری نشانیاں آپ پر واضح کریں گی کہ اس گھر کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق نری خوش اعتقادی پر مبنی نہیں ہے بلکہ قدرت کے مقررہ طبعی قوانین کا یہ منطقی نتیجہ ہے مسلمان اگر سمجھتے ہیں کہ نسل انسانی کا پہلا ابتدائی قبلہ بھی "الکعبہ" ہی تھا پھر مختلف علاقوں کے بکھرے ہوئے انسانوں کو باہم ایک دوسرے سے قریب تر ہو جانے کی صورت جب نکل آئی تو پھر مختلف مقامی قبلوں[1] سے ہٹا کر سب کو اسی پرانے

[1] تاریخ کا ایک ایسا دور بھی نسل انسانی پر گذرا ہی جب قوموں کے قبلے مقامی بھی تھے، یہ ایسا مسئلہ ہے جس کی طرف خود قرآن میں بھی اشارے ملتے ہیں، مثلاً "ما انت بتابع قبلتھم وما بعضھم بتابع قبلۃ بعض" سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ (بقیہ صفحہ پر)

واحد مرکزی قبلہ پر جمع کر دیا گیا، تو یہ ایک ایسی بات ہے جس کی تائید ان ہی "آیات بینات" سے ہو رہی ہیں جن کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی روائتیں مثلاً اسرائیلیات کے مشہور اسلامی عالم وہب بن منبہ کے حوالہ سے کتابوں میں نقل کیا گیا ہی کہ مکہ کی ایک وادی میں جس کا نام ابطح ہے حضرت آدمؑ سے فرشتوں نے ملاقات کی اور خوش آمدید کہا، پھر بولے کہ اے آدمؑ اس گھر کا حج تم سے دو ہزار سال پہلے ہم لوگوں نے کیا تھا، بیان کیا گیا ہی کہ اسکے بعد

قدم به الملاك مكة فطاف بالبيت اسبوعاً ثم رجع الى ارض الهند فمات بها (خمیس ص ۹۰/۱۲)

حضرت آدمؑ کو فرشتہ مکہ لایا، پھر سات دفعہ کعبہ کا طواف حضرت آدمؑ نے کیا، اور اسکے بعد ہندوستان واپس ہو گئے، جہاں انکی وفات ہوئی۔

یا اسی کے قریب قریب دوسری روائت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی طرف منسوب کی گئی ہی فرماتے تھے، کہ

حج آدم من الهند اربعين[1] حجة

ہندوستان سے الکعبہ کا حج آدمؑ نے چالیس دفعہ فرمایا

میں مانتا ہوں کہ سنداً اس قسم کی روائتوں کا ذخیرہ بہت کچھ محل اشتباہ ہے[2]، لیکن جب قرآن کے نص قطعی سے معلوم ہوتا ہے کہ الناس یعنی آدمیوں کے لئے سب سے پہلا گھر بکہ ہی میں بنایا گیا، تو ان

(ص ۹۹ کا بقیہ) نیز سیرت کی کتابوں میں یہ روائت جو نقل کیجاتی ہی کہ قبلوں کی تعداد پندرہ تھی، سات نچلے حصہ میں اور سات بالائی حصہ میں۔ (دیکھو الخمیس ص ۹۰/۱۲)
ہو سکتا ہی کہ کرہ زمین کے دونوں حصوں فوقانی و تحتانی جس میں امریکہ وغیرہ بھی واقع ہیں ان ہی کے ہفت اقلیم میں سے ہر ہر اقلیم کیلئے ایک قبلہ ہو، اسی کی طرف اس روائت میں اشارہ کیا گیا ہو، چودہ قبلے تو مقامی ہونگے اور پندرھواں مرکزی قبلہ "الکعبہ" ہو اگر یہ سارے قصّے اُسوقت کے تھے جب مختلف امصار و بلاد کے باشندوں کا ایک ہی کتاب، ایک ہی قبلہ پر جمع ہونا عملاً دشوار تھا، پر جب اس کا امکان پیدا ہو گیا تو سارے مقامی قبلے، وقتی کتابوں کا قصّہ ختم کر کے آدمؑ کی اولاد پھر ایک کر دیگئی جیسے بکھرنے سے پہلے سب ایک تھے۔ ۱۲

[1] اس روایت کے آخر میں دلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ ابن عباسؓ کے شاگرد دجینی نامی نے پوچھا کہ حضرت آدمؑ ہندوستان سے کیا کسی سواری پر آتے تھے، کہا جاتا ہی کہ ابن عباسؓ نے جواب میں کہا کہ بھلا آدمؑ کا بوجھ کون اٹھا سکتا تھا البتہ اُن کا ایک گام اتنی مسافت طے کر لیتا تھا جسے آج کل تین دن میں ہم پورا کرتے ہیں۔ ۱۲

[2] اسی قسم کی روائتوں کی بنا پر مسلمانوں کے بعض علماء مثلاً مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کو ہندوستان ہی کو اپنا آبائی اور روحانی وطن اصلی قرار دینے پر اصرار ہے۔ ۱۲

روائتوں کا جو حاصل ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام وادی بکہ کے اس اول البیت سے تعلق رکھتے تھے، آخر اس کو مشتبہ قرار دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، رہا یہ مسئلہ کہ زمین کے اس خاص حصّہ کی تحدید و تعیین کیلئے ابتداءً میں کیا صورت اختیار کی گئی تھی، یہ ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کی تحقیق میں سر کھپایا جائے، پتھر لگائے گئے تھے یا صرف مٹی کی دیواریں اٹھائی گئی تھیں، پھر پتھر اگر استعمال کئے گئے تھے تو کس قسم کے پتھر سے اس کی تعمیر ہوئی تھی، قرآن میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے اور یہی اس کا عمومی دستور رہے کہ غیر ضروری امور سے اعراض کر کے مسلمانوں کو بھی گویا سکھاتا ہے کہ ان لایعنی مشاغل سے جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

بہرحال یہ ہو سکتا ہے کہ قیمتی پتھر استعمال کئے گئے ہوں جن کا کوہستانوں میں میسر آنا چنداں دشوار نہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ الکعبہ کے مثالی وجود کو ان قیمتی پتھروں کی شکل میں دیکھا گیا ہو جن کا ذکر روایتوں میں آیا ہے، بہرحال نہ یہ روائتیں ہی چنداں اہم ہیں نہ ان کے مفاد پر زیادہ زور دینا چاہیئے۔ البتہ حجر اسود کے ساتھ جو خصوصی برتاؤ کیا جاتا ہے اُس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ "الکعبہ" کی تعمیر میں اس پتھر کو کسی نہ کسی قسم کی اہمیت ضرور حاصل ہے[1]، مگر اسی کے بالمقابل آپ دیکھ رہے ہیں کہ "الکعبہ" کی مرکزیت کے اظہار کے لئے ان تمام حقائق سے اس نے پردہ اُٹھا دیا ہے جن کے متعلق ممکن ہو کہ غیر ایمانی عامیانہ فطرتوں میں ہچکچاہٹ پیدا ہو۔ اس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کیا ہے کہ "الناس" کے قیام و بقاء کا تعلق بھی اسی "الکعبہ" سے ہے۔ وہی الناس کے لئے "مثابہ" (پن گھٹ) ہے اور ان کا امن و امان بھی اسی کے ساتھ وابستہ ہے، العالمین یعنی سارے جہانوں کے لئے وہ مبارک بھی ہے اور ان میں ہدایت کی عمومی روشنی کی تقسیم کا مرکز بھی یہی گھر بنے گا، اسی بنا پر ایسی روایتوں کو مثلاً آیا ہے، کہ

---

[1] ہماری پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ اس پتھر کو ہندوستان سے لے گئے تھے (دیکھو عینی شرح بخاری) بعض مغربی سیاح جو بھیس بدل کر مکہ گئے تھے یہ خبر لائے ہیں کہ "حجر اسود" شہابی نوعیت کا پتھر معلوم ہوتا ہے، گویا ان لوگوں نے اتنا تو مان لیا کہ یہ زمینی پتھر نہیں ہے اور روشن ہونے کے بعد سیاہ ہو گیا ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ان روایتوں کی گویا وہ تائید کر رہے ہیں جن میں آیا ہے کہ یہ زمین کا نہیں بلکہ جنت کا پتھر تھا اور ابتداء میں اس کا رنگ سفید تھا پھر سیاہ ہو گیا۔ ۱۲

انزل اللہ خیمۃ من خیام الجنۃ فوضعہا بمکۃ موضع البیت۔ (الخمیس ص۹۱ ج۱)

اتارا اللہ نے جنت کے خیموں میں سے ایک خیمہ پھر خدا نے اس کو رکھا اُس جگہ پر جہاں "البیت" یعنی الکعبہ واقع ہے۔

میں ان کو مذکورۂ بالا قرآنی حقائق کی تعبیر و تفسیر سمجھتا ہوں، مآل ان روایتوں کا بھی وہی ہے کہ انسان کو خلیفہ بنا کر زمین پر آباد کرنے کا خالقِ کائنات نے جب فیصلہ فرمایا تو اس کے قیام و بقاء نشوونما، امن و ارتقاء کے لئے "الکعبہ" کو مرکز قرار دیا گیا، اور جیسے سارے عالم میں اپنی رحمتوں کو تقسیم کرنے کے لئے "العرش العظیم" پر الرحمٰن مستوی ہوا اُسی طرح کرۂ زمین کی رحمتوں کی تقسیم کے لئے "الکعبہ" کو اس نے اپنی تجلّی کی فرودگاہ خاص ٹھہرایا، اور بقول حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز، اگرچہ آفتاب آئینے میں نہیں اُترتا لیکن خاص قسم کی تجلّی آفتاب کی آئینے میں جو ہوتی ہے اسی کا نتیجہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہو بہو کامل آفتاب آئینے میں جھلکتا اور چمکتا نظر آرہا ہے، کچھ اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ جو آسمان و زمین میں بھی نہیں سما سکتا، وہی خالقِ ارض و سماوات "الکعبہ" کی "تجلّی گاہ خاص" میں کچھ اس طرح نمایاں ہے کہ آئینے کو جیسے بیت الشمس کہہ سکتے ہیں اسی طرح "الکعبہ" پر بھی "بیت اللہ" کا اطلاق ایک صحیح مشاہداتی یافت ہی کا یہ اعتراف ہوگا، ذاتِ حق کی یہی تجلّیِ کامل درحقیقت بنیاد ہے اُن سارے دینی اور رُوحانی تعلقات کی جن کو "الکعبہ" کے ساتھ اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔

---

(۲)

کیسی عجیب بات ہے کہ مختلف قطعاً دو مختلف نوعیت کے تعلقات اسی ایک تجلّی گاہ ربانی کے ساتھ اسلام نے قائم کئے ہیں یعنے ایک طرف ہم دیکھتے ہیں کہ "الصلوٰۃ" (نماز) کے لئے دن کے چوبیس گھنٹوں میں پانچ پانچ دفعہ سارے جہان کے مسلمانوں کا رُخ اسی "الکعبہ" کی طرف پھیرنے کو اسلام ضروری قرار دیتا ہے، مسلمانوں کو دن کے ان پانچ وقتوں میں اسلام جب "الکعبہ" کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے تو اس وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ زور جسم کی صفائی اور لباس کی صفائی بلکہ ہر اُس عضو کی صفائی اور پاکیزگی پر دیتا ہے جو عام حالات میں گرد و غبار، گندگی، میل کچیل۔

محفوظ نہیں رہ سکتے، باضابطہ کامل وردی میں پھر حکم دیا جاتا ہے کہ کمال متانت اور سنجیدگی کیساتھ دربارِ الٰہی کی حاضری کی سعادت حاصل کریں، عرض و معروض میں بھی لجاجت و سماجت کے آخری حدود تک پہونچنے کی کوشش کریں، الغرض اپنی اپنی ایک ایک حرکت اور ایک ایک سکون سے اس احساس کو اپنے اندر زندہ اور بیدار کریں کہ اقتدار و اختیار کے آخری قاہرانہ قوتوں کے سرچشمے کے آگے اپنے آپ کو وہ ذلت و مسکنت کی ممکنہ شکلوں کے ساتھ ڈالے ہوئے ہیں۔ الغرض بجائے شور اور ہنگامے کے ہر قول اور ہر عمل کو نظم و ضبط کے انتہائی دباؤ کے نیچے رکھنا نماز کی جان اور حقیقی رُوح ہے۔

پس "الکعبہ" کے سامنے آنے کی ایک شکل تو یہ ہے جس کا نظارہ ہر مسجد میں پانچوں وقت کیا جاتا ہے، لیکن یہی "الکعبہ" اور "خدا کی بارگاہ" "تجلی گاہِ ربانی" ہے۔ اسی کے آگے اسلام ہی ان ہی مسلمانوں کو لاتا ہے جنھیں وہ مسجد میں لے جاتا ہے پر کس شان کے ساتھ؟ تمدن و تہذیب کے ماحول کا سارا لباس اتروا لیا جاتا ہے، سلی ہوئی معمولی دوپلی ٹوپی تک سر پر رکھنے کا اب وہ روادار نہیں ہے، جو سب کچھ پہنتے تھے اور اسلام ہی اُن کو سب کچھ پہنا رہا تھا، اچانک آج وہی اصرار کر رہا ہے کہ بجز ان دو کفنیوں یا لنگیوں کے جنھیں حاجی احرام کے نام سے گلے میں ڈالے لپیٹے ہیں، کسی دوسرے کپڑے کا اضافہ اُن کے لئے اس حال میں درست نہ ہوگا، حد یہ ہے کہ ان کفنیوں کے پلّوں کو جوڑنے کے لئے گرہ تک ڈالنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے[1]۔

اب ذرا مسجد کے ان ہی نمازیوں کو دیکھئے جو قبا در بر، عمامہ برسر، وقار و متانت کی انتہائی سنجیدگیوں کے ساتھ نماز کی صفوں میں اسی "الکعبہ" کے سامنے کھڑے ہوئے تھے، آج حج کے میدانوں میں ان ہی نمازیوں کا کیا حال ہے۔ سر کھلا ہوا ہے، بال بڑھے ہوئے ہیں، ناخنوں کی درازی حد سے گذری ہوئی ہے، گرد میں سارا جسم اٹا ہوا ہے، وہی اسلام جو دن کے چوبیس گھنٹوں میں پانچ دفعہ اگر غسل نہیں تو ہر نمازی کو نیم غسل (وضو) کا حکم دیا کرتا تھا آج ان پر اصرار کر رہا ہے کہ اُلجھے ہوئے بالوں کو سلجھانے کے لئے کنگھے کے استعمال کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ بضرورت نہانے پر

---

[1] فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی کانٹے یا اسی قسم کی چیزوں سے ان کو جوڑ لیا جائے۔ ۱۲

مجبور بھی ہوں تو جس اسلام کو مسجدوں میں دیکھا جاتا تھا کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایک ایک عضو سے میل کچیل کے ازالہ کو فرض ٹھہرا رہا تھا البراجم و المغابن[1] تک کو ملواتا تھا، وہی فتویٰ دے رہا ہے کہ

ازالۃ التفث حال الاحرام حرام — احرام کی حالت میں میل کچیل اور بدن سے کثافتوں کا دور کرنا ناجائز ہے۔

(مناسک ملا علی قاری)

"قُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ" (کھڑے رہو (نماز میں) چپ چاپ) کے قرآنی مطالبہ سے جس اسلام کی مسجدیں گونج رہی ہیں، جماعت تک میں شریک ہونے کے لئے تیز قدمی اور لپک کر جھپٹنے تک کو دربارِ الٰہی کی ادب ناشناسی سے محرومی قرار دیا گیا ہے، وہی اسلام اعلان کر رہا ہے کہ حج کی راہ میں جتنا زیادہ چیخ سکتے ہو، چیختے چلے جاؤ۔ پیغمبر کا بیان ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ "افضل الحج العج" (بہترین حج وہ ہے جس میں غل شور مچایا جائے) یعنی لبیک الخ کے کہنے میں جتنا زور لوگ لگا سکتے ہوں لگائیں۔

جمعہ کی نماز کے سلسلے میں خطبہ کے وقت کنکریوں سے کھیلنے والوں تک کو لغویت کا مرتکب قرار دیا گیا ہے، لیکن حج کے میدان میں وہی اسلام حکم دیتا ہے کہ چلاتے اور چیختے ہوئے ایک وادی سے دوسری وادی کی طرف، ایک پہاڑ کے دامن سے دوسرے پہاڑ کے دامن تک دوڑتے ہوئے آؤ بھی اور دوڑتے ہوئے جاؤ بھی، انتہا یہ ہے کہ ان ہی حاجیوں سے ایسا فعل بھی کرایا جاتا ہے جس پر رقص کا شبہ اگر کیا جائے تو یہ بے محل شبہ نہیں ہو سکتا۔ آخر طواف جو حج کا ایک رکن رکین ہے اس میں ایک ٹولی کے بعد دوسری ٹولی "الکعبہ" کے چاروں طرف جو گھومتی رہتی ہے، اصطلاحاً رقص کا اطلاق اس پر صحیح نہ ہو لیکن جو نہیں جانتے ہیں وہ مسلمانوں کے اس طریقۂ عمل کو آپ خود سوچئے کہ کیا سمجھیں۔ بعضوں نے اس پر تعجب بھی کیا ہے لیکن اسی تعجب میں تو سارا راز چھپا ہوا ہے، سچ تو یہ ہے کہ انسانی شائستگی کے معیار کو اسلام نے اتنا بلند کر دیا ہے کہ طواف خواہ واقعہ کے لحاظ سے کچھ بھی ہو لیکن رقص یا ناچ کے لفظ کے اطلاق پر اپنے تو اپنے شائد دل پر جبر کئے بغیر غیر بھی آمادہ نہیں ہو سکتے خلاصہ یہ ہے کہ مسجدوں کے برعکس حج کے میدانوں میں جو کچھ کیا جاتا ہے، دوڑایا جاتا ہے

---

[1] انگلیوں کی پشت کی گرہوں کے سامنے سکڑی ہوئی کھال کے جو حصے ہیں اُن ہی کو براجم کہتے ہیں، اور مغابن جسد انسانی اُن حصوں کو کہتے ہیں جو عمیق اور پوشیدہ رہتے ہیں مثلاً بغل، بُنِ ران وغیرہ۔ ۱۲

گھمایا جاتا ہے، کنکریاں چنوائی جاتی ہیں، اور اُس حال میں رہنے کا حکم دیا جاتا ہے جس حال میں دیوانوں اور سرگشتوں کو دیکھا جاتا ہے، سر کھلے ہیں، ناخن بڑھے ہوئے ہیں، بال اُلجھے ہیں، بدن میل کچیل میں ڈوبا ہوا ہے۔ کیا بات ہے کہ ایک ہی اسلام اچانک سنجیدگی و متانت و وقار کے سارے قصوں کو ختم کر کے مسلمانوں پر اس حال کو کیوں طاری کراتا ہے۔ ان کے کانوں میں اس نے کیا پھونک دیا ہے کہ دیوانوں کی طرح کبھی ادھر جاتے ہیں اُدھر جاتے ہیں، کبھی دوڑتے ہیں کبھی روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں چلاتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر کبھی اس تودے پر کنکریاں پھینکتے ہیں، کبھی اُس پتھر پر سنگریزے برساتے ہیں۔ چکر کاٹتے ہوئے ان ہی کو دیکھا جاتا ہے کہ ناچ بھی رہے ہیں گا بھی رہے ہیں، رہ رہ کر بوسہ کے لئے لبوں کو بھی کسی چیز پر ملتے ہیں۔ نہ سر پر ٹوپی ہے نہ پاؤں میں جوتا ہے، ایک بن سلی چادر پیٹھ پر پڑی ہوئی ہے، اور دوسری ٹانگوں کے ساتھ لپٹی ہوئی ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا لباسی سامان ان کے پاس نہیں ہے۔ آخر اُن ہی کپڑوں کو وہ کیوں استعمال نہیں کرتے جن کے بغیر وہ مسجدوں میں جانا پسند نہیں کرتے تھے، اپنے بدن کو کثافتوں سے پاک کیوں نہیں کرتے، ناخن کیوں نہیں ترشواتے، بال کیوں نہیں سنوارتے، خوشبو کیوں نہیں لگاتے، بربریت اور وحشت کی بچی کھچی یادگاروں کو مٹا کر اسلام ہی نے تو مسلمانوں کو تہذیب و شائستگی کی راہوں پر ڈالا تھا۔ پھر آگے بڑھانے کے بعد اسی اسلام نے اُن کو پیچھے کیوں ڈھکیل دیا، اور ڈھکیل دینا کیا معنے؟ اس نے تو مسلمانوں کی دینی زندگی کا ایک جوہری عنصر حج ہی کو قرار دیا ہے۔

بلاشبہ یہ ایک سوال ہے اور بڑا اہم سوال، مگر "الکعبہ" کیا ہے، ارضی کائنات کیساتھ اس کا جو بنیادی رشتہ ہے جن کے لئے یہ راز راز باقی نہیں رہا ہے، کیا نماز اور حج کے اعمال و افعال، آداب و فرائض کے ظاہری تناقض و تعارض کی یہ بوالعجبی اُن کیلئے بھی بوالعجبی باقی رہتی ہے؟۔

بلاشبہ فطرتِ انسانی قدرت کے حاکمانہ اقتدار کے آثار کو اپنے اوپر طاری کرنا چاہتی ہے، اس میں یہ جبلّی جستجو پائی جاتی ہے کہ قدرتی قوانین کی پابندیوں سے ساری کائنات، شجر حجر، پرندے درندے وغیرہ اپنے نوعی کمالات تک پہونچنے میں جیسے کامیاب ہو رہے ہیں اسی طرح اس کی کامیابیوں کا راز بھی ان ہی پابندیوں میں پوشیدہ ہے۔ اور یہ جو دیکھا جا رہا ہے کہ عمومًا بنی آدم مذہب کے نام سے احکام و قوانین کے کسی مجموعہ کی پابندی کو اپنے لئے ناگزیر قرار دیئے ہوئے ہیں،

درحقیقت اسی اندرونی سوال کا یہ جواب ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ پیدا کرنے والے کی طرف احکام و قوانین کے جس مجموعہ کو منسوب کیا جاتا ہے، واقعی وہ خالقِ کائنات کی مرضی کی صحیح نمائندگی کرتا ہے یا نہیں، لیکن ہر پیدا ہونے والا آدمی باور یہی کرتا ہے کہ مذہب کے نام سے وہ اپنے خالق کی مرضی ہی کے پانے میں کامیاب ہوا ہے۔ بہرحال یہ ایک مستقل علیحدہ بحث ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مذاہب و دیانات کے متعلق جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ خدائی احکام و قوانین کی پابندی کا ان میں مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کو بھی اسی مطالبے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ اپنے پیدا کرنیوالے کی مرضی کے مطابق اس کے نافذ کردہ احکام و قوانین کی تعمیل و امتثال میں زندگی بسر کرنا، بندوں کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین ہے۔ نشو و نما کی جو قدرتی صلاحیتیں فطرتِ انسانی میں پائی جاتی ہیں ان صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور ان کو بار آور کرانے کی قدرتی راہ یہی ہے کہ خالقِ کردگار کو اپنا حاکم تسلیم کرکے بندہ اسی کا محکوم بن جائے۔ بندگی اور عبدیت اسی فرض کو طبعاً ہم پر عائد کرتی ہے اس فرض سے عہدہ برا ہونا اور عہدہ برا ہونے کی کوشش یہی ہمارے وجود کا حاصل اور آخری غایت ہے۔

سچ پوچھئے تو بار بار ہر چوبیس گھنٹے میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد "حیّ علی الصّلوٰۃ" کی پکار، لاہوتی ادب گاہوں اور ان کے بلند میناروں سے فضا میں جو گونجتی رہتی ہے درحقیقت محکومیت اور بندگی، غلامی اور عبدیت کے اسی فرض کو یاد دلانے اور اس کے احساس کو قلب میں مسلسل جگائے رکھنے کی یہ عملی تدبیر ہے۔ آپ دیکھئے ان کو جنھوں نے اس لاہوتی پکار سے بہرے بنے رہنے کا فیصلہ نہیں کیا ہے ـــــ جب پکارنے والے کی پکار پر چل پڑنے کے لئے وہ آمادہ ہوتے ہیں، وہ اپنی وردی درست کرتے ہیں، اس کی دیکھ بھال کر لیتے ہیں کہ صفائی اور پاکیزگی کے برخلاف ان کے لباس کے کسی حصے میں گندگی اور نجاست کا کوئی داغ اور دھبّہ تو نہیں ہے سکینت و وقار کی تصویر بن کر انتہائی اطمینان اور سنجیدگی کے ساتھ قدم اُٹھاتے ہوئے پہلے اس مقام میں آتے ہیں جہاں کپڑوں سے آگے بڑھ کر اپنے جسد اور بدن کی کثافتوں کا جائزہ لیتے ہوئے ایک ہی دفعہ نہیں بلکہ کم از کم تین تین بار بدن کے اُن حصوں کو دھوتے ہیں جن کی آلودگی کا عام حالات میں اندیشہ کیا جا سکتا ہے شست و شو کے اس شغل سے فارغ ہونے کے بعد دیکھئے وہ اپنے پیدا کرنے والے

خالق و حاکم کے سامنے کھڑے ہیں، تجزیہ کیجئے ان اعمال اور مشاغل کا جن میں اب وہ منہمک اور مستغرق ہو جاتے ہیں۔ دست بستہ قیام، قیام کے اسی حال کے بعد سر کو جھکا دینا اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنا ماتھا ٹیک دینا، یہ اور اسی کے ساتھ دوسرے قولی و فعلی اجزا و عناصر جن کی ترکیب سے مسلمانوں کی "نماز" کا قوام تیار ہوتا ہے۔ ان سب میں بتائیے کہ احکم الحاکمین، آقائے علی الاطلاق کے حاکمانہ شئون اور اقتداری تجلیوں کے سوا کیا کوئی اور چیز بھی جھانک رہی ہے؟ عقیدت و نیاز یا احساس محکومیت و بندگی کو تصویری پیکر میں لانے کی جو آخری شکل ہو سکتی ہے، کیا الصلوٰۃ یا نماز اس کے سوا اور بھی کچھ ہے؟ فقر و مسکنت، احتیاج و تذلل کے جذبات کے اظہار کا زندہ قالب یہی ہو سکتا تھا، میں نہیں سمجھتا کہ اس سلسلے میں اور بھی کچھ سوچا جا سکتا ہے۔

الصلوٰۃ اسلام کے چار اہم ستونوں میں ایک بڑا ستون ہے، اسی طرح الزکوٰۃ کے نام سے جس محصول کو امراء اور تونگروں سے وصول کر کے غرباء اور نا مستطیع باشندوں میں اسلام تقسیم کراتا ہے، تو کیا یہ وہی فرض نہیں ہے جسے ہر حکومت اپنے باشندوں پر عائد کر کے اپنے حاکمانہ اقتدار کو ظاہر کرتی ہے ——— اور الصلوٰۃ و الزکوٰۃ تو دینی اسلامی رکن ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے سوا بھی اسلامی مطالبات کے بڑے، بہت بڑے ذخیرے کی بنیاد مطالبہ کرنے والے کے حاکمانہ اقتدار ہی پر قائم ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

مگر سوال یہی ہے کہ ہستی کی اس "تجلی گاہ" کے آخری سرچشمے کے متعلق جن جستجوؤں کو انسانی فطرت اپنے اندر پاتی ہے کیا حاکم و محکوم کے ان تعلقات اور ان تعلقات کے اقتضاؤں کی تکمیل کے بعد ہمارے اندر کی ڈھونڈھ کا یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، ہماری پیاس کیا بجھ جاتی ہے، آخر ؎

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں   ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں!   عشوۂ و غمزۂ و ادا کیا ہے

بحر وجود کے ان تموجات، اور لہروں کی توجیہ میں کیا کہا جائے؟ کیا پایا تھا، ایران کے کج کلاہ اور خراسان کے آہن گر سیاہ نے گوشت و پوست، چربی اور استخواں کے اس مجموعہ میں جس کا نام شیریں تھا کہ آہن گر نے تو سر پھوڑ لیا، اور خسرو خود سر اپنے ہوش و حواس، عقل و خرد، شوکت و ابہت کے سرمائے کو کھو بیٹھا۔

اُس خلش اور تپش، قلق اور بے چینی، اضطراب و التہاب کے اسباب کا سُراغ کیسے لگایا جائے اور کہاں لگایا جائے جو عامری دیوانے کو بن بن میں پھراتے تھے اور بیابانوں کے پتھروں کی ٹھوکروں کے ساتھ اس کو راضی کئے ہوئے تھے، وادیٔ نجد کی ہرنیوں کی لمبی گردنوں اور بڑی بڑی آنکھوں میں وہ کیسے ڈھونڈھ رہا تھا، وہ کتوں کے منہ کو اس لئے کیوں چومتا تھا کہ اس کی لہریں اُس چوکھٹ تک پہونچ جائیں گی جس کا بوسہ اس کی زندگی کا آخری مقصود تھا۔

بہر حال آپ اس کا نام حُسن رکھئے یا جمال، یا جو جی میں آئے جس لفظ سے بھی اس کی تعبیر کیجئے، لیکن وجود کے اس تلاطم میں ایسی لہریں بھی یقیناً کھلی ملی، رسی بسی ہیں جنکے غیر معمولی دباؤ کا فطرت انسانی انکار نہیں کر سکتی، دباؤ اور عجیب و غریب دباؤ، جس کے نیچے بسا اوقات حکومت اور سلطنت کا اقتدار بھی کھوکھلا بن کر رہ گیا ہے، مطلق العنان جباروں کو بھی اس کی گرفت کے اندر تڑپتے اور پھڑکتے دیکھا گیا ہے۔

انسانی قالب اور بشری پیکر میں حُسن و جمال کے ظہور کے بعد جو کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں اُنکے متعلق تو ایک حد تک "جنسی میلانات" کے شعوری یا غیر شعوری اشاروں کو بھی دخیل ٹھہرایا جاسکتا ہے لیکن بہتی ہوئی نہروں، لہلہاتے ہوئے مرغزاروں، چہچہاتی ہوئی چڑیوں، کھلے ہوئے شگفتہ و نیم شگفتہ پھولوں، وادیوں کے نشیب و فراز، دامنِ کوہ کی اُبھرتی ہوئی بلندیوں اور ڈھلتی ہوئی پستیوں، الغرض انسانی پیکروں سے ہٹ کر جمادی، نباتی و حیوانی سانچوں میں حُسن و جمال کی تجلیاں ڈھل ڈھلا کر جب سامنے آتی ہیں تو اس وقت گدھوں اور بکروں کو نہیں، گھوڑوں اور ہاتھیوں کو نہیں، بلکہ صرف آدمؑ کے بچوں اور حواؑ کی بچیوں ہی کو بہجت و نشاط، سرور و وجد کے گردابوں میں چکر کھاتے ہوئے کیوں پایا جاتا ہے؟

پس واقعہ یہ ہے کہ جمال پرستی کہئے یا حُسن پسندی، یہ انسانی سرشت کا ایسا جوہری عنصر ہے کہ اسی پر اس کے نوعی امتیاز کی بنیاد قائم ہے۔ وہ حُسن کی جستجو، اور جمالی تجلیوں کی تلاش کے جذبہ کیسا تھ پیدا بھی ہوتا ہے اور جب مرتا ہے تو اسی جذبہ کو ساتھ لئے ہوئے مرتا ہے[1]۔

---

[1] بہشتی حقائق اور "الجنۃ" کی جن پیداواروں کی خبر قرآن میں دی گئی ہے، یورپ کے "رہبان نو اوروں" کا (بقیہ صفحہ ۔۔۔)

بہرحال جستجوئے حُسن یا تلاشِ جمال کا جو جذبہ انسانی فطرت میں پایا جاتا ہے نہ اس کا انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ یہ مانا جا سکتا ہے کہ جمال و حُسن کی جو تجلّیاں برگِ گل اور نغمۂ بلبل سے چھلک رہی ہیں اور جن کی روشنی سے جمادی و نباتی، حیوانی و انسانی مظاہر سے بھری ہوئی یہ کائنات جگمگا رہی ہے، ان کے وجود کے اس بحر متلاطم میں کوئی آخری سر چشمہ نہیں ہے۔ ہمارا ابتدائی لاہوتی سبق ہی الحمد للہ سے شروع ہوتا ہے۔ کمال ہو یا جمال، الغرض وجود کا ہر وہ پہلو جو مستحق مدح و ستائش ہو، ہم مان ہی نہیں سکتے کہ وہ نہ تھا پھر ہوا ہے "ہستی نیستی سے بھی پیدا ہو سکتی ہے" عقل بھی اس تجویز سے جھنجھلاتی ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ "الاسماء الحسنیٰ" نص قطعی کے رو سے جس ذات میں منحصر ہیں ان کے مسمّیٰ کے سوا، بتایا جائے کہ "حُسن" کے سرچشمے کو اور کہاں ڈھونڈا جائے۔

(ص۱۰۱ کا بقیہ) مادہ پرست طبقہ اس پر معترض ہے کہ انسانی نہیں بلکہ حیوانی مطالبوں کی تسکین کا سرمایہ تو یہ چیزیں بن سکتی ہیں لیکن انسانی فطرت کیلئے یہ کچھ نہیں ہے اسی لئے ان میں سے بعضوں نے قرآنی "الجنۃ" کا نام "حیوانی جنت" بھی رکھ دیا ہے لیکن ان رہبان زادے مادہ پرستوں سے کون پوچھے کہ انسانی فطرت کے آگے قرآن نے جنت کی جن جمالی تجلیوں کے پیش ہونے کی خبر دی ہے، بقول حضرت شیخ اکبر کیا جانوروں، بھیڑوں اور بکریوں، چوپاؤں، گدھوں اور بیلوں کو بھی ان سے متاثر اور لذت اندوز ہوتے اس دنیا میں کبھی دیکھا گیا ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ باشندگانِ مغرب کی موجودہ نسلیں جن اگلی نسلوں سے پیدا ہوئی ہیں وہ تو دنیا کے مظاہر جمال و حُسن سے بھی بے زاری کو اپنا مذہب ٹھہرائے ہوئے تھیں، پھر "جنت" میں ان کے وجود کو وہ کیسے برداشت کر سکتی تھیں۔ اور ان ہی رہبانوں سے جو نئی نسلیں نکلی ہیں ان کی مادی ذہنیت کی ثاقفتوں نے حسن و جمال کے ان کثیف و غلیظ مظاہر کے ساتھ اُن کو قانع بنا دیا ہے جن کی ہر بھلائی میں بُرائی گندھی ہوئی ہے در اس کے کسی خیر کو شر کی آلودگیوں سے قطعی طور پر پاک کرنا ناممکن ہے۔

مادی مذاق کی یہی فطری غلاظت ہے جس نے حُسن و جمال کے ان لطیف و جمیل پیکروں کے تصور کی بھی گنجائش ان میں باقی نہیں چھوڑی ہے، جو زندگی کے اُس دور میں سامنے آئیں گے جب خیر کو شر سے قطعی طور پر جدا کر دیا جائے گا۔ خیر مطلق "ہی کا نام "جنت" ہے، اور شر مطلق ہی کی قرآنی تعبیر جہنم ہے۔

(۳)

ان تمہیدی مقدمات کے بعد اب سوچئے کہ ناقص انسانوں کے ناقص عقول کا گڑھا اور تراشا ہوا دستور و آئین نہیں، بلکہ عالم الغیب والشہادہ خدائے کامل کا بخشا ہوا دین کیسے کامل ہو سکتا تھا جبتک فطرتِ انسانی کی جستجوئے جمال اور تلاشِ حُسن کے جذبہ کی تسکین کا سامان بھی اس میں نہ کیا جاتا۔ مجھے دنیا کے دوسرے مذاہب و ادیان سے اس وقت بحث نہیں لیکن اپنے اسلامی اسلاف سے جو دین ہم تک پہونچا ہے اور جن لوگوں نے ہم تک اس کو پہونچایا ہے، اُن کا بیان ہے، محدث الدیار الہندیہ، استاذ الکل فی الکل حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فارسی زبان کی اپنی تفسیر میں حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے حج کا ذکر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:-

"بازایشاں را حکم شد کہ در ہر سال یک بار خود را والہ و شیدا ساختہ دیوانہ وار و عاشق کردار، برائے گردشتن خانہ محبوب خود برہنہ سر و برہنہ تن، و برہنہ پا، ژولیدہ مو، پریشاں حال و گرد آلودہ از شام بہ زمینِ حجاز رسیدہ گاہے بر کوہ و گاہے بر زمیں رو بہ سوئے خانہ کردہ استادہ شوند"	پھر حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا گیا کہ سال میں ایک دفعہ اپنے آپ کو سرگشتہ و شیدا بناکر دیوانوں کی طرح اور عشق بازوں کا وطیرہ اختیار کر کے محبوب کے گھر کے گرد ننگے سر ننگے پاؤں، اُلجھے ہوئے بال، پریشاں حالی کے ساتھ گرد میں اٹے ہوئے سرزمینِ حجاز میں پہنچیں اور وہاں پہونچکر کبھی پہاڑ پر کبھی زمین پر محبوب کے اسی گھر کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوں۔

اسی قسم کے تفصیلات کے بعد بیان کو ان فقروں پر ختم کرتے ہوئے، کہ

"گرد خانہ تجلی آشیانہ او طواف کنند و بار بار کنجہائے ان خانہ را بہ بوسند و بہ لیسند"	اسی تجلّی خانہ کے اِردگرد گھومیں، اور اس کے گوشوں کو چومیں چاٹیں۔

حج کا جو مقصد ہے اس کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں، فرماتے ہیں:-

"تا معنیٔ عشق و محبّت کہ در باطن ایشاں کامن ست در لباس صورت جلوہ گر شود، و مشہور خاص و عام گردد و دریں بین	تاکہ عشق و محبّت کا جو جذبہ انکے باطن میں پوشیدہ ہے، وہ ظاہری شکل و صورت کا قالب اختیار کرے اور اسکے اس حال کا چرچا دنیا میں پھیلے۔

با واز بلند لبیک گویان نعرہ ہا زنند و آتش محبت اندرونی را با آں نعرہ ہا برافروزند"

اسی سلسلہ میں یہ حکم بھی دیا گیا کہ بلند آواز کیساتھ لبیک کہتے ہوئے نعرے لگائیں اور ان نعروں کی راہ سے محبت کی چھپی دبی آگ کو بھڑکائیں۔

آخر میں شاہ صاحب نے لکھا ہے، کہ

"ایں کیفیت مناسک حج برائے ایشاں مقرر شد و طواف و سعی بین الصفا والمروہ و آمد و رفت مزدلفہ و عرفات و اقامت در منیٰ و ذبح و قربانی و تلبیہ و احرام مشروع گشت"۔

حج کے مناسک میں یہی کیفیت ان کے لئے مقرر ہوئی اور اسی بنیاد پر طواف کعبہ، مروہ وصفا کے درمیان تگ و دو (سعی)، مزدلفہ کی آمد و رفت، عرفات میں قیام، منیٰ میں ذبح و قربانی احرام وغیرہ اعمال کا حکم دیا گیا۔

اور ایک یہی کیا، آپ کو اسلامی بزرگوں کی مختلف کتابوں میں یہ، اور اسی قسم کی ملتی جلتی باتیں مل سکتی ہیں اُردو میں سیدنا قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم دیوبند کی کتابوں خصوصاً "حجۃ الاسلام" میں حج کے ایک ایک جزو کی تشریح اسی نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے جو کی گئی ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے، اور قربانی اگرچہ میرے نزدیک دینی نظام میں اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے، تاہم حج کے موقع پر جو قربانی کی جاتی ہے صاحب "غائۃ الشعور" نے لکھا ہے:

"قربانی نمودن مجز ست کہ خود را براہ دوست ایں چنیں فدیہ نمودن شائد"۔

حج کے موقع پر قربانی کا مطلب یہ ہے کہ دوست کیلئے چاہئے قربانی کرنے والا اسی طرح اپنے آپ کو تیار کرے کہ وہ بھی قربانی کے جانور کیطرح ہر وقت اپنی جان فدا کرنے کیلئے تیار رہے۔

بہر حال حسن ازل اور جمال مطلق کی جستجو و تلاش یہی الحج کی روح ہے، اگرچہ حج کے اعمال و مناسک کے تجزیہ و تحلیل ہی سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف اس نتیجہ تک پہونچے ہیں، جیسے الصلوٰۃ یعنی نماز میں جو کچھ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے، اُسی سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق کائنات کے حاکمانہ اقتدار اور اس کے آثار کو بندے اپنے اوپر طاری کرتے ہیں، ان اسلامی ارکان کے پھل ہی ایسے ہیں جن کو دیکھ کر معمولی عقل کا آدمی بھی درختوں کو پہچان سکتا ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ حج کے مطالبہ کا

ذکر جن الفاظ میں قرآن کے اندر پایا جاتا ہے قرآنی طرز کے ادا شناسوں کے لئے ان ہی میں کافی اشارے ہیں، خصوصاً آخری الفاظ جن پر یہ آیت ختم ہوئی، یعنی

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝　　اور حج کے مطالبہ کا ناشکری کیساتھ جسنے انکار کیا تو اُس کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہیں۔

عشق و محبت کی راہ و رسم کا جو تجربہ رکھتے ہیں اور سوز و ساز سے کچھ حصہ جنھیں میسر آیا ہو اُن ہی کے چوٹ کھائے قلوب اس طریقۂ بیان کے اثر کو محسوس کر سکتے ہیں۔ سیدنا الامام الحاج امداد اللہ المہاجر المکی قدس اللہ سرہ العزیز قرآن کی دھمکی

لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۝ (آل عمران)　　نہ حق تعالیٰ اُن سے بات کرینگے اور نہ اُنکی طرف دیکھیں گے قیامت کے دن۔

کا جب ذکر فرماتے، تو کہتے کہ ساری دھمکیوں میں سب سے زیادہ جانگداز، رُوح گسل دھمکی میرے لئے تو یہی ہے، عمیق حکیمانہ نفسیاتی نکتہ۔ اس کے بعد یہ ارشاد فرماتے کہ کسی چیز سے محرومی کی دھمکی اُسی وقت دی جا سکتی ہے جب اس کا مطالبہ ہمارے اندر موجود ہو، مجنوں ہی کو لیلےٰ دھمکا سکتی ہے کہ میں تجھ سے نہ بولوں گی، تجھے نہ دیکھوں گی، ورنہ جو مجنوں نہیں ہے اُس کے لئے لیلیٰ کی ان دھمکیوں کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔ حاجی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے متعلق میں نے سنا ہے کہ آپ دیدہ ہو جاتے اور فرماتے کہ آدمی کی فطرت میں اگر کسی کی ہم کلامی اور نظرِ لطف و کرم کا مطالبہ پوشیدہ نہ ہوتا تو یقین کرو کہ اس کو یہ دھمکی کبھی نہ دی جاتی۔

اسی نفسیاتی نکتہ کو پیشِ نظر رکھ کر اب سوچئے کہ حج کی قدر و قیمت کے نہ پہچاننے والوں اور اس کی اہمیت کے انکار کرنے والوں کی طرف رُخ کر کے بجائے اِس قسم کی باتوں کے کہ ان کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا، یا اُن کو آگ میں جھونکا جائے گا۔ یہ یا اسی قسم کی مادی سزاؤں کی جگہ

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝　　اور جسنے ناشکری کیساتھ انکار کیا (اسکو معلوم ہونا چاہئے) کہ اللہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

کے چند قرآنی الفاظ کیا اس ساری داستان کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے نہیں ہیں جو اس سلسلہ میں اب تک آپ ہم سے اور بزرگوں کے حوالہ سے سُن چکے، ہم جو کچھ کہنا چاہتے تھے شائد نہ کہہ سکے، لیکن قرآن نے

ان چند ہی لفظوں میں سب کچھ کہدیا، اُن سے کہدیا جو سب کچھ برداشت کرسکتے ہیں لیکن بے نیازی اور لاپروائی کی یہ دھمکی ان کو ان کی رُوح اور جان کو پگھلا دینے کے لئے کافی ہے "چشمِ لاپروا" اور "نظر تغافل" کی بھڑکائی ہوئی آگ اور بکھیرے ہوئے انگاروں میں لوٹنے کا موقع جنھیں خدانخواستہ کبھی مل چکا ہے، وہی کچھ اندازہ کرسکتے ہیں کہ "اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ" کی دھمکی کس مہیب جگرخراش منظر کو سامنے لاکر (العیاذ باللہ) کھڑا کر دیتی ہے۔

صحاح کی مشہور حدیث جس میں جتلایا گیا ہے کہ "قابو رکھنے کے باوجود حج کی سعادت سے جو محروم رہا اور اسی حال میں مرگیا، خدا کی اس کو کوئی پروا نہیں کہ وہ یہودی ہوکر مرا یا نصرانی ہوکر" اس میں بھی حج کی وہی "رُوح" جھانک رہی ہے جس کے بغیر یہ تو ممکن ہے کہ "حج" کا قالب تیار کرلیا جائے لیکن اس "رُوح" سے بے گانگی "قلب" سے اس "قالب" کو محروم ہی رکھے گی۔

"رُوحِ حج" سے بے گانگی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ جماعت اور جمعہ وعیدین کی نمازوں کیساتھ "حج" کا رشتہ جوڑتے ہوئے آج کل پھیلایا جارہا ہے کہ روزانہ اور ہفتہ واری، سالانہ کمیٹیوں کمیٹیا اسلام نے مسلمانوں کے اجتماع عام کی کمیٹی یا کانفرنس کی تشکیل کی ایک عملی صورت حج کے ذریعہ سے نکالی ہے۔ ریسمان بافوں نے تو نہ جاننے کی وجہ سے اس لال بجھکڑانہ توجیہ کو دنیا کے سامنے پیش کیا، پر حیرت ہے کہ آسمان والوں نے بھی جاننے کے باوجود ان ہی کے ساتھ اپنی آواز ملانی شروع کی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ انسانیت کا جو بے نظیر طوفان ہر سال حجاز کے ریگستانوں میں ٹھاٹھیں مارتا ہی یقیناً بے نظیر کہ زمین کے کسی حصے میں مختلف ممالک و امصار سے بھانت بھانت کی بولیوں کے بولنے والے مرد و زن اس خاص شان کے ساتھ کہیں بھی جمع نہیں ہوتے، حج ہی کا موسم ایک واحد موسم ہے جس میں ایک ہی میدان میں آپ کو مشرق بعید چین و جاوہ، ملایا کے باشندوں کیساتھ مغرب اقصیٰ کے گورے چٹے آدمی ملی جلی شکلوں میں ہر سال مل سکتے ہیں، ان ہی میں آپ کو ہندی و سندی، بخاری و تاتاری، مصری و طرابلسی، الغرض ایشیا اور افریقہ کے مسلمانوں کے ساتھ یورپ اور امریکہ کے مسلمانوں کو بھی آپ پاسکتے ہیں اور ان سب کو جمع کرکے کسی خاص نصب العین تک پہونچنے کی دعوت بھی دے سکتے ہیں۔ بغیر کسی اشتہار و اخبار پروپاگنڈا، شور و شغب کے بکھری ہوئی

انسانیت ہر سال ایک نقطہ پر جمع ہو جاتی ہے آپ چاہیں تو معاشرتی، تمدنی، بلکہ ضرورت ہو تو سیاسی الجھنوں کے سلجھانے کا ذریعہ بھی اس اجتماع کو بنا سکتے ہیں، لیکن کام لینا، یا لے سکنا، یہ دوسری بات ہے اور جس کام کے لئے حج کی عبادت مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے یہ الگ مسئلہ ہے، آپ آم کی گٹھلی جب بوتے ہیں، تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ درخت بن جانے کے بعد آپ اس درخت کے پتوں، اور لکڑیوں سے ایندھن کا کام بھی لے سکتے ہیں لیکن بجائے پھلوں کے ایندھن میں پتوں اور لکڑیوں سے کام لینے کو گٹھلی بونے کی غائت ٹھہرانا، آپ ہی بتائیے کہ جنون کے سوا اور کیا ہے، سیدنا المعنوی نے سچ فرمایا ہے۔

ہر کہ کارد قصد گندم بایدش
کاہ خود اندر تبع می آیدش

گیہوں کی کاشت تو دانۂ گندم کے فراہم کرنے ہی کے لئے کی جاتی ہے، اور طفیل میں اس کے پتوں اور ڈنٹھلوں کو چور کر کے بھوسہ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن بھوسہ ہی حاصل کرنے کیلئے آجتک کسی نے گیہوں کی کاشت کی ہے؟ بقول حکیم الامت تھانوی نور اللہ ضریحہٗ "اسلامی عبادات" کی فلاسفی نکالنے کا عصری طریقہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ عرق گلاب کے فوائد کا بھی استعمال استنجا بتایا جائے، فرمایا کرتے تھے کہ اپنی مائیت اور صفت سیلان کی وجہ سے ازالہ نجاست کا کام یقیناً گلاب کے اس عرق سے بھی اگر چاہا جائے تو لیا جا سکتا ہے لیکن اسی کو عرق گلاب کے وجود کی غائت ٹھہرانا، عقلی گندگی اور ذہنی غبارت کے سوا اور کیا ہے؟

اور میں تو کہتا ہوں کہ دین میں ان عباداتی عناصر کے شریک کرنے کی جو واقعی غرض و غائت ہے اسکے ساتھ اپنی من مانی خود غرضیوں کے حصول کا ذریعہ ان کو بنا لینا، ممکن ہے کہ بعض حالات میں مضر نہ ہو بلکہ مفید ہی ہو مگر مشاہدہ اور تجربہ بتا رہا ہے کہ اس قسم کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں نے کبھی کبھی خطرناک نتائج کو بھی پیدا کر دیا ہے

خیر میں کیا کہنے لگا، ذکر یہ ہو رہا تھا کہ "حج" اور اسکے اعمال و اشغال کی تجزیہ و تحلیل ہی سے نہیں بلکہ خود قرآنی الفاظ کے اشاروں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فطرت انسانی میں حسن و جمال کی جستجو و تلاش کا جو جبلی جذبہ ہے اسی جذبہ کے صحیح استعمال کی راہ "حج" کے ذریعہ سے کھولی گئی ہے

اسی حسن و جمال کے لازوال سرچشمہ سے ربط قائم کرنے کی یہ حکیمانہ تدبیر ہے، بچھیانا ان کو پڑتا ہے جو بجائے چشمہ آفتاب کے دیوار و در شجر و حجر پر پڑنے والی چلتی پھرتی دھوپ کے دھبوں سے دل لگا کر سمجھتے ہیں کہ آفتاب کا نور ان کو مل گیا، سورج کی روشنی انھوں نے پالی، امیر مرحوم کا شعر

چھیڑتے کیوں ہو جوانی میں حسینوں کو امیر
رات ہی بھر کا یہ جوبن ہے سحر ہونے تو دو

حقیقت بن کر ان ہی کے سامنے آتا ہے جنھوں نے دین کے اس مشورے کو قبول کر کے ندائے ابراہیمی پر لبیک کہا ہو اور حج جیسے اس راہ کے ایجابی عمل کی قدرتی شکل ہے، اسی طرح بقول حضرت قاسم العلوم و الخیرات رحمۃ اللہ علیہ الصوم یعنی روزہ اسی راہ کے سلبی عمل کا نام ہے، جس میں ان چند جوہری مرغوبات و مالوفات سے معتد بہ وقفہ تک دست بردار ہونے کی مشق بہم پہونچائی جاتی ہے جس کی کرفت اور دباؤ کو نسبتاً انسانی فطرت زیادہ محسوس کرتی ہے اپنے اس سلبی و منفی عمل میں ہر مومن کو اس کا موقعہ ملتا ہے کہ اپنا امتحان وہ خود لے، پتہ چلائے کہ عشق و محبت کی وادی کے ایجابی اعمال کی صلاحیت کس حد تک اس میں پیدا ہو چکی ہے وہ ولولہ و سرمستی کے اس میدان میں کہاں تک چل سکتا ہے جس میں چلنے والوں کو مخلوقات سے رشتہ توڑ کر خالق ہی کے حسن و جمال کی جستجو میں غرق کر دیا جاتا ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں "خود امتحانی" کی بہترین شکل روزہ ہی ہے، یہی ایک ایسا عمل ہے جس میں نفس کی شعبدہ بازیوں، اور عربدہ جوئیوں کا پردہ چاک ہو جاتا ہے، جو مومن نہیں ہے، اور اپنے دین کو خالص بنانے میں جو کامیاب نہیں ہوا ہے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ وہ روزہ اور روزہ کے اقتضاؤں کی تکمیل پر کیوں مجبور رہو گا بقول شخصے۔

ملحد گرسنہ خانہ خالی بر خوان
عقل باور نکند کز رمضان اندیشد

بہر حال یہ تو ایک ذیلی بات تھی، میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ الحج ہی کا سمجھنا چاہیئے کہ الصوم یعنی روزہ بھی مقدمہ ہے، گویا جیسے الصلوٰۃ والزکوٰۃ خالق کے حاکمانہ اقتدار کی تسلیم و اعتراف کے عملی قوالب ہیں، اسی طرح الصوم و الحج حسن ازل، سرچشمہ جمال کی جستجو و تلاش کے عملی مظاہر

ہیں زکوٰۃ حقیقت صلوٰۃ کی تصدیقی شہادت ہے اسی لئے اسی کی تعبیر "الصدقہ" سے بھی کی ہے، کہ بقول شخصے ؎

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو وہ لہو کیا ہے

زر طلبی سے مطالبہ کی تکمیل وفاداری کے زبانی دعوے کی دلیل بنجاتی ہے اسی طرح الصوم حج کا فذلک ومقدمہ ہے، بس حقیقی مطالبہ بندوں پر جو عائد کیا گیا ہے وہ "الصلوٰۃ" اور حج ہی ہے جیسا کہ تفصیلاً آپ سن چکے کہ انسانیت کے لئے "مستقر الی حین"، یعنی وقتی قیام گاہ زمین ہی کا یہ خاکدانی کرہ جب کہ بنایا گیا، اور اس کرے پر خالق عالم کی کامل تجلی گاہ، جو بارگاہ ربانی یا بیت اللہ کے لفظ کے اطلاق کا جائز حقدار ہے، وہ "الکعبہ" اور وادی بکہ کا وہی حصہ جو نکہ جس کے ساتھ الناس کا قیام وابستہ ہے اور وہی ان کے لئے مثابہ تقسیم رحمت کا مرکزی نقطہ ہے اور خاک کے اس تودے کی ساری چہل پہل امن وامان کا ضامن بھی چونکہ وہی ہے، اس لئے تلاش حق کی ان دونوں راہوں کا رشتہ بھی اسی کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے، اور جبتک "الکعبہ" ان خصوصیتوں کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے اسوقت تک مرکزیت کا یہ اعزاز واکرام اسی کے ساتھ وابستہ رہے گا اس کی اسی اہمیت مطلقہ کا یہ نتیجہ تھا کہ اسی کی فتح کو قرآن نے "الفتح"، قرار دیا کہ ہر ملک کی کشور کشائی میں پایۂ تخت ہی کی فتح کا مسئلہ اصل مسئلہ ہوتا ہے اس کی غیر معمولی اہمیت ہی کا اقتضا تھا کہ نسل انسانی کے سب سے بڑے سردار اور "کافۃ للناس کے بشیر و نذیر"، کو اس مہم کی سرانجامی کے لئے ازل ہی سے قدرت کی نظر انتخاب چن چکی تھی، اور اپنے اسم "تواب[1] کو پیش کرتے ہوئے اسی الفتح کے بعد خالق نے فاتح علیہ السلام کو اپنی طرف

---

[1] تواب کا مادہ توبہ ہے پلٹنا اور بازگشت یہی توبہ کا لفظی ترجمہ ہے سورہ النصر کو سن کر صدیق اکبر کے متعلق جو بیان کیا جاتا ہے کہ رونے لگے اور دریافت پر لوگوں سے فرمایا کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دی گئی ہے، اسی صدیقی استنباط کا مخرج میں اسی لفظ تواب کو قرار دیتا ہوں، باقی سورہ نصر اور سورہ فتح دونوں میں فتح کی بشارت کے ساتھ پیغمبر کو استغفار و تسبیح کا حکم جو دیا گیا اور یہ کہ خدا نے اگلے پچھلے ذنوب آپ کے معاف کر دیئے تو بظاہر خیال گزرتا ہے کہ شاید اس کا تعلق فطرت انسانی کے اس اقتضا سے ہے کہ مشاہدے سے پہلے اطمینان کلی کی کیفیت اس میں پیدا نہیں ہوتی ایسے موقعوں پر غیر اختیاری وساوس وخیالات کا پیدا ہونا طبعی امر ہے

(بقیہ حاشیہ آگے پر)

بازگشت اور پلٹ جانے کا اشارہ سورہ نصر میں جو کیا تو اس کا یہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ
کہ کرۂ زمین کے "پایہ تخت" کی فتح کا مسئلہ جب طے ہو گیا تو آپ کا کام پورا ہو گیا باقی ام القریٰ
کے چاروں طرف "القریٰ" یا آبادیوں کا جو طویل و عریض سلسلہ پھیلا ہوا ہے، ان کا کام "امت
کے سپرد کر دیا گیا حتّٰی لا یبقیٰ بیت مدر ولا وبر الا دخله الاسلام

اور یہ جو صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب چھوٹے چھوٹے پاؤں
والے حبشی "الکعبہ" کے ایک ایک پتھر کو اکھاڑ کر اس سے جدا کر دیں گے اور یوں "الکعبہ"
کا قصہ ختم ہو جائے گا تو اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ خود "الکعبہ" کے در و دیوار اور زمین کے
جس حصہ پر وہ واقع ہے بذات خود کوئی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ یہ سارا زور و شور اور
ساری ہنگامہ آرائیاں اس رشتہ کے ساتھ وابستہ ہیں، جو خالق تعالیٰ و تقدس کی ذات کے
ساتھ اس مکان اور اس جگہ کا قائم ہے۔ گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ اپنے قلمرو کے کسی خاص علاقہ یا
صوبہ میں بادشاہ جب آتا ہے اور شاہی بارگاہ وہاں قائم کی جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ اس شاہی
بارگاہ کی اسی وقت تک اہمیت رہتی ہے جب تک فرودگاہ شاہی ہونے کی عزت اسے حاصل رہے۔
لیکن کس نے نہیں دیکھا کہ اس نسبت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی، وہ سارا میدان جس میں شاہی
بارگاہ کھڑی کی گئی تھی ہو کا میدان بن کے رہ جاتا ہے پھر مزدور آتے ہیں اور اسی شاہی خیمہ کو
اکھاڑ بچھاڑ کر ختم کر دیتے ہیں، اب نہ اسکے اردگرد پہرہ پڑتا ہے نہ لاؤ لشکر کا ہجوم ہوتا ہے،
نہ حاجت مندوں کی آمد و رفت کا سلسلہ باقی رہتا ہے، کسی موقعہ پر میں نے ایک روایت درج
کی تھی جس کا حاصل تھا کہ جب زمین کی آزادی کا ارادہ کیا گیا تو آج جہاں پر "الکعبہ" کی عمارت
ہے عالم علوی سے ایک خیمہ آیا اور اسی مقام پر نصب کیا گیا میرے نزدیک قرآنی آیت اِنَّ
اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ الآیۃ، ہی کی یہ تفسیر تھی، الکعبہ کی یہی اصل حقیقت ہے، جسے صرف
خواص ہی نہیں بلکہ ہر عامی مسلمان بھی جانتا ہے، یہی وجہ تو ہے کہ بخاری کی مذکورہ بالا روایت

(بقیہ ص ۱۱۱) فتح کے مشاہدے کے بعد مواعید الٰہی کے متعلقہ وساوس وخیالات ہی سے استغفار کا حکم اگر دیا گیا ہو اور حق تعالیٰ کی ذات
ایسی بدگمانیوں سے پاک ہے اس لئے تسبیح کا حکم ہو تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے۔

یعنی "الکعبہ" کے ایک ایک پتھر کو آخر زمانہ میں جب دنیا کے ختم ہونے کا وقت آئے گا چھوٹے چھوٹے پاؤں والے حبشی اکھاڑ کر پھینک دینگے "تو اس روایت کو سن کر کسی میں "الکعبہ" کی اہانت و تحقیر کا احساس پیدا نہیں ہوتا ہر مسلمان جانتا ہے کہ "الکعبہ" کے ساتھ جو الٰہی نسبت اسوقت قائم ہے یہ حادثہ اس نسبت کے ختم ہوجانے کے بعد پیش آئیگا۔ ظاہر ہے کہ اسکے بعد "الکعبہ" الکعبہ ہی کب باقی رہتا ہے بلکہ چند پتھروں کا ایک مجموعہ بن کر رہ جائے گا، اب اسکے پتھروں کا نکالنا یا کسی عام معمولی مکان کی اینٹ سے اینٹ کا بجا دینا دونوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا، حجر اسود کو خطاب کرکے روایتوں میں جو آیا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تیری حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ تو ایک پتھر ہے، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے میں نے دیکھا ہے اسلئے میں بھی تجھے بوسہ دیتا ہوں" حاصل عمر فاروق کے الفاظ کا یہی ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ "بیت اللہ" "الکعبہ" کے ہر ہر پتھر کے متعلق اسی ایمانی بصیرت سے مسلمانوں کی عام جماعت، سرفراز ہے، ان میں ہر ایک نقل ہا حجر الحجر اکھاڑ دے گا کعبہ کے ایک ایک پتھر کو والی روایت کو ہمیشہ سنتا ہے، اور اسکی پیشانی کی شکنوں میں ہلکی سے جنبش بھی نہیں ہوتی بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ خصوصیت کے ساتھ حجر اسود ہی کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایمانی احساس کا جو اعلان فرمایا تو شاید اسکی وجہ یہی ہو۔ کہ دیوار کعبہ میں شریک ہونے کی صفت تو ان سارے پتھروں میں پائی جاتی ہے جو اس مکان کی تعمیر میں استعمال کئے گئے ہیں جنمیں ایک حجر اسود بھی ہے لیکن علاوہ اس عام صف کے حجر اسود ہی ایک ایسا تاریخی پتھر اس مکان میں رہ گیا ہے جو کعبہ کی ابتدائی تعمیر سے اسوقت تک مسلسل چلا آرہا ہے ممکن ہے کہ بعض دوسرے پتھروں کی نوعیت بھی یہی ہو لیکن عرب کی موروثی روایات جو نسلاً بعد نسل ان میں "الکعبہ" کے متعلق منتقل ہوتی چلی آتی تھیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پرانا پتھر کعبہ کی دیواروں میں حجر اسود ہی رہ گیا ہے گویا خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جن جن روحانی ہستیوں، اللہ کے دوستوں کا "الکعبہ" سے تعلق پیدا ہوتا رہا جس نے ایک ایسا امتیاز حجر اسود کو بخش دیا ہے جس کا دعویٰ اسی "الکعبہ" کی دیواروں کے دوسرے پتھروں کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ ایسی چیز جو خدا کے برگزیدہ ترین بندوں یعنی حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام کے لمس و مس کے شرف و سعادت سے قطعی طور پر سرفراز ہوئی ہو، اگر ڈھونڈھی جاوے تو عرب ہی نہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ زمین کے اس پورے کرے پر "الکعبہ" کے

اس سیاہ پتھر کے سوا صحیح تاریخ کی روشنی میں کوئی دوسری چیز ڈھونڈھنے والوں کو نہیں مل سکتی،
کم از کم اتنا تو بہر حال یقینی اور قطعی ہے کہ سید الانبیا والرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک
لبوں کے ساتھ اتصال کا شرف اس پتھر کو ضرور حاصل ہوا ہے، اور قرآنی خبروں کو جو مانتے ہیں کہ
خدائی خبریں ہیں ان کو بہر حال یہ تسلیم ہی کرنا چاہئے کہ معماران کعبہ ابراہیم خلیل، اور اسماعیل صدیق
و ذبیح کی مقدس انگلیوں نے بھی اس پتھر کو ضرور چھوا ہے۔

شاید یہی مطلب ہو اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا ہے کہ حجر اسود یمین اللہ یعنی خدا کا داہنا ہاتھ ہے)
آخر قرآن ہی میں جب ہمیں بتایا گیا ہے کہ جن کے ہاتھوں پر پیغمبر اپنا ہاتھ رکھتے ہیں، ان کو سمجھنا چاہئے
کہ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے ید اللہ فوق ایدیھم جب قرآنی نظریہ ہے، تو جس پتھر کو
خدا کے پیغمبروں کے ہاتھوں نے چھوا ہے، اگر خدا کا ہاتھ اسی پتھر میں ہمیں نظر آتا ہے تو آپ ہی بتائیے
کہ قرآن کی بخشی ہوئی روشنی میں ہماری ایمانی آنکھ آخر اسکے سوا اور کیا دیکھے اسی لئے تو سمجھا جاتا ہے
کہ حجر اسود کا استلام اور تقبیل یعنی اس پتھر کو طواف کرتے ہوئے چھونا اور بوسہ دینا، گویا توحید
کے ان دعاۃ اور منادیوں کے ہاتھوں پر بیعت کرنا اور ان بزرگوں کے ہاتھوں کو بوسہ دینا ہے،
جن کے ہاتھوں کو خدا نے اپنا ہاتھ نص صریح میں قرار دیا ہے۔

بہر حال کچھ بھی ہو، الکعبہ ہو یا الکعبہ کی دیواریں ہوں، ان دیواروں کے پتھر ہوں، بجائے خود
ان کی حیثیت کچھ نہیں ہے، مگر باوجود اسکے نمازوں میں اسی کو مرکز بنا کر سارے جہان کے مسلمان اسی
کی طرف جو اپنا رخ پھیر دیتے ہیں یا طواف کا فریضہ اسی کے گرد چکر لگا کر جو ادا کیا جاتا ہے تو یہ سارا
کرشمہ اس انتساب خصوصی کا ہے۔ جو خالق کائنات اور اسکے نمائندوں دوستوں کے ساتھ یہ عمارت
رکھتی ہے واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ (یعنی ابراہیم کے قیام کی جگہ (الکعبہ) سے رشتہ قائم
کرکے) نماز کی جگہ بناؤ ان میں اللہ کے ایک دوست ہی کی نسبت کا تو حوالہ دیا گیا ہے، اور یہ ایک
ایسی ظاہر و باہر بیّن حقیقت ہے جس سے مسلمان تو مسلمان میں سمجھتا ہوں کہ جو مسلمان نہیں ہیں وہ بھی جانتے
ہیں کہ مسلمانوں کے دین کی بنیاد ہی خالق پرستی پر مبنی ہے،

اسی لئے کسی قسم کی مخلوق ہو، مسلمانوں کی نہ وہ معبود بن سکتی ہے اور نہ مسجود، جیسے مسجد کی دیواروں
کے آگے سجدہ کرنے سے کوئی نہیں سمجھتا کہ مسلمان ان دیواروں کو سجدے کرتے ہیں بلکہ ہر ایک جانتا ہے

کہ دیواریں مسجود لہ نہیں بلکہ مسجود الیہ ہونے سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتیں بالفاظ دگر دیواروں کے لئے سجدہ نہیں کیا جاتا، بلکہ سجدہ تو خالق کائنات ہی کے لئے کہا جاتا ہے البتہ رخ نمازیوں کا مسجد کی دیواروں کی طرف ہوتا ہے، استقبال کعبہ کا لغتہً و اصطلاحاً ہر لحاظ سے یہی مطلب ہے، اپنے تو اپنے غیر بھی یہی جانتے ہیں،

مگر باوجود سب کچھ جاننے اور پہچاننے کے غالباً ستم ظریفیوں کی تاریخ میں یہ لطیفہ اپنی نظیر آپ ہی ہوگا کہ بازاریوں کو نہیں بلکہ اچھے خاصے بھاری بھرکم سنجیدہ علمی طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کو دیکھا گیا ہے کہ مخلوق پرست قوموں کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے مسلمانوں پر اس تہمت کے جڑنے کی جرات کرتے ہیں کہ آخر "الکعبہ" کے پرستار وہ بھی تو ہیں اور "الکعبہ" چند مخلوق پتھروں کے سوا اور کیا ہے پھر مسلمان "الکعبہ" کو جب پوجتے ہیں، تو بالواسطہ پتھروں کے پوجنے کے مرتکب کیا وہ بھی نہیں ہو رہے ہیں؟ معذرت ہی سہی لیکن اس قسم کی بے بچھوری باتوں پر انصاف اور حقیقت کی آنکھوں سے اگر خون ٹپک پڑے تو جس قسم کی یہ حرکت ہے، بتایا جائے کہ اس کا نتیجہ اور کیا ہو سکتا ہے،

یہ کہنا کہ بت پرست بھی تو پتھر کی کھودی ہوئی مورتیوں کو نہیں پوجتے بلکہ حقیقی توجہ ان کی اس مخفی نادیدہ قوت کی طرف ہوتی ہے جسکی نمائندگی بت کرتے ہیں عجیب ہی، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مخلوق پرستوں میں جن جن ناموں کے ساتھ بت پوجے جاتے ہیں آپ ان کی فہرست بنا لیجئے آپ دیکھیں گے ان کے سارے معبود خالق نہیں بلکہ مخلوقات ہی کے کسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً وہ کسی مرتے ہوئے انسان یا حیوان، یا ملائکہ، جن، بھوت پریت وغیرہ کے نام ہوں گے ظاہر ہے کہ "الکعبہ" کو جس ذات کے ساتھ انتساب کا شرف مسلمانوں کے نزدیک حاصل ہے وہ مخلوق نہیں بلکہ خالق کائنات کی ذات ہے پھر مخلوقات کی نمائندگی کرنے والی مورتیوں کو "الکعبہ" پر قیاس کرنا کس حیثیت سے صحیح ہو سکتا ہے اور مان بھی لیا جائے اگرچہ قطعاً یہ ایک ایسی بات کو تسلیم کر لیتا ہے جو واقعہ نہیں ہے اگر مان لیجئے جیسا کہ اس زمانہ میں بعضوں کی طرف سے یہ دعویٰ پیش ہوا ہے کہ پتھر کی کھودی جن مورتیوں کو وہ پوجتے ہیں ان کے نزدیک وہ مخلوق کی نہیں بلکہ خالق کی نمائندگی کا کام انجام دیتی ہیں کہتے ہیں کہ نادیدہ خالق کے دھیان کو ان ہی دیدہ مورتیوں کو سامنے رکھ کر جماتے ہیں، بت پرستی کی یہ تازہ توجیہ جو قطعاً ایک غیر واقعی توجیہ ہے، بہرحال جب کبھی اس توجیہ کا ذکر میرے سامنے آیا تو دل نے ہمیشہ یہ فیصلہ کیا کہ کچھ اور ہو یا نہ ہو لیکن مخلوق پرستی کے طرفداروں

کی شکست فاش کا یہ کھلا ہوا اعتراف ہے، کیونکہ واقعہ خواہ کچھ ہی ہو توجیہہ کرنے والے
تو یہ مان ہی لیا کہ مخلوق پرستی کو وہ بھی ایک غلط مسلک سمجھتے ہیں اور یہ کہ انسانیت
کے ارتقار کا طبعی طریقہ یہی ہے کہ خالق تعالیٰ جل مجدہٗ اور اس کے کمالات و صفات سے ربط پیدا
کیا جائے۔ اختلاف جو کچھ بھی باقی رہ جاتا ہے وہ صرف خالق کے طریقہ عبادت میں، یعنی مورتی
پوجا کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک خالق پرستی کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ ایک دیکھی بھالی
مورتی کو سامنے رکھکر خالق کا دھیان جمایا جائے لیکن خالق پرستی کے اس طریقہ پر اصرار کرنے والوں
سے جب پوچھا جاتا ہے کہ آخر ان مورتیوں سے خالق کے دھیان کو جو آپ جماتے ہیں، اس کی منطقی
توجیہ کیا ہے؟ یعنی ان دیکھے خالق کی طرف دیکھی ہوئی مورت سے آپ کا خیال کس علاقہ کی بنیاد
پناہی میں منتقل ہوتا ہے؟ تصویر میں اور جسکی وہ تصویر ہو، دونوں میں صوری مشابہت ہونی
چاہیئے گدھے کی تصویر کو سامنے رکھکر اپنی بیوی کی تصور کو آدمی کیا اپنے اندر تازہ کرسکتا ہے؟
سوال یہی ہوتا ہے کہ مورتیاں جن میں عموماً مردوں یا عورتوں کی ہیئت شکل و صورت قائم
کی جاتی ہے، اب خواہ مردانی صورت ان کی ہو یا زنانی اسکو سامنے رکھکر اس ذات بے ہمتا کا
دھیان کیسے جمایا جاسکتا ہے جو نہ مردوں کی جیسی صورت رکھتا ہے اور نہ عورتوں جیسی شکل اسکی
ہے۔ آخر اس کا "نرنکار" اور برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم ہونا یہ تو فطرت انسانی کا
ایک متفقہ جبلی شعور ہے۔

اور اگر یہ مطلب ہے کہ خالق کی کسی مخلوق کو سامنے رکھکر آپ چاہتے ہیں کہ خالق کی یاد کو
تازہ کریں، تو اسکے لئے کیا آسمان و زمین، شجر و حجر بلکہ کائنات کا ایک ایک ذرہ کافی نہیں ہے
بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تراشی ہوئی مورتیوں اور ڈھالے ہوئے بتوں میں انسانی صنعت کاری، اور
کاریگری کے آثار و نتائج بھی چونکہ شریک ہوجاتے ہیں اسلئے خالق کی یاد کی تجدید میں بجائے
مدد ملنے کے اس کا زیادہ اندیشہ ہے کہ راہ کے وہ روڑے نہ بنجائیں، خصوصاً جب روزمرہ
کا مشاہدہ ہے کہ کسی اسٹیچو یا مجسمہ کو دیکھکر ذہن عموماً اس بت تراش اور مجسمہ ساز کی طرف
منتقل ہوجاتا ہے جو اپنی صنعتی مہارت اور چابکدستی کے کمالات کو پتھر یا لکڑی وغیرہ کے
ٹکڑوں میں نمایاں کرتا ہے اور اس سے بھی زیادہ گہرا یہ نفسیاتی مسئلہ ہے کہ مورتیوں کے سامنے

جا کر یہ دیکھا جاتا ہے کہ پجاریوں کی تشفی ہو جاتی ہے، بتوں کے آگے حضوری اسی کو وہ سب کچھ سمجھ لیتے ہیں، گویا پتھر کی کھودی ہوئی کسی مورتی کے سامنے چند پھول یا پھل وغیرہ کو رکھدینے کے بعد ایسا کی دیو لیتے ہیں کہ ان کو سب کچھ مل گیا اسکے بعد قدرتاً "تلاش حق" کا جو فطری جذبہ انسانی سرشت میں گندھا ہوا ہے اس جذبہ کے تقاضے اس عمل کے بعد سرد پڑ جاتے ہیں، برخلاف اسکے "الکعبہ" میں پہونچنے کے بعد بھی جب کسی "معین شکل" میں مومن کا خدا سامنے نہیں آتا تو بجائے دھیمی ہونے کے یہ واقعہ ہے روزمرہ کا تجربہ ہے کہ محبوب ازلی کی جستجو کا شعلہ سینے میں زیادہ شدت کے ساتھ بھڑک اٹھتا ہے، ان ہی کھدی اور ڈھلی ہوئی مورتیوں یعنی الاصنام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جیسا کہ قران میں نقل کیا گیا ہے، امام الموحدین سیدنا ابراہیم خلیل علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والتسلیم خدا کے سامنے ان الفاظ کے ساتھ جو گڑگڑائے تھے کہ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ اے پروردگار ان بتوں نے بہتوں کی راہ ماری۔ اس دعائیہ فقرہ کا ایک بڑا تفسیری پہلو یہی نفسیاتی مسئلہ ہو سکتا ہے ھذا ما عندی۔ واللہ اعلم بالصواب و نعوذ باللہ من شرور انفسنا واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سیرت سید احمد شہید رحمہ (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) حصہ اول - تیسرا اڈیشن -

اردو کی اسلامی مطبوعات میں جن کتابوں نے ہمارے زمانہ میں ہندوستانی مسلمانوں کے دل و دماغ پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے اور افسردہ دینی جذبات اور سوئی ہوئی ایمانی کیفیت کو ابھارا ہے انمیں یہ کتاب امتیازی درجہ رکھتی ہے مسجدوں اور مجلسوں میں پڑھکر سنائی گئی کثرت سے لوگوں نے حرز جان بنایا شائد کم کتابیں اتنے بار پڑھی گئی ہوں جتنی یہ کتاب ہندوستان کے سب سے بڑے مجاہد اور مجدد حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی اور ان کے رفقا حضرت شاہ اسمٰعیل شہید وغیرہ کی ایمانی و دعوتی زندگی اور اصلاحی و مجاہدانہ کارناموں کی ولولہ انگیز تاریخ ہے جسکو پڑھکر آدمی کو اپنے ایمانی احساس، جذبہ عمل اور روحانیت میں ترقی محسوس ہوتی ہے اور اس افسردگی و بیدلی کے دور میں نئی زندگی اور نئی روح پیدا ہوتی ہے قرن اول سے ملتے جلتے واقعات ایمان کی طاقت، اللہ سے تعلق اور صدق و اخلاص کے محیر العقول حالات نظر آتے ہیں — دو ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے اب کچھ دن پہلے اس کا کوئی نسخہ کسی قیمت پر نہیں ملتا تھا تیسرا ایڈیشن کافی اضافہ شدہ معلومات و مضامین اور متعلقہ تاریخی مقامات کی عکسی تصاویر کے ساتھ شائع ہوا ہے کسی درد مند مسلمان کو اس کتاب کے مطالعہ سے محروم نہیں رہنا چاہیے قیمت بلا جلد للعمہ مجلد للعمہ

مدینہ طیبہ میں رمضان مبارک کے چند دن

(از مولوی محمد ثانی صاحب حسنی)

(مندرجۂ ذیل مضمون الحاج مولوی محمد ثانی صاحب کے غیر مطبوعہ سفرنامہ کے چند صفحات ہیں، آپ کو مدینۂ طیبہ میں رمضان گزارنے کا شرف حاصل ہوا اور آپ نے وہاں کے مشاہدات و تاثرات میں قیام حجاز کے پورے واقعات کو روزنامچہ کی شکل میں مفصل قلمبند کیا۔)

آج رمضان المبارک کی آٹھویں شب ہے، دیر ہوئی کہ مسجد نبوی میں تراویح ختم ہو چکی ہے، رات کا کافی حصہ گزر چکا ہے لیکن حرم نبوی کے ہر کونہ اور ہر سمت میں سیکڑوں آدمی نماز، درود، سلام، تلاوت قرآن، قیام و قعود میں مشغول نظر آرہے ہیں، مختلف سمتوں میں چھوٹی بڑی جماعتیں ذکر اللہ میں مصروف ہیں، اس طرف دیکھیے تو ایک بخاری عالم بڑی خوش الحانی سے تیز آواز کے ساتھ قرآن سنا رہے ہیں، ان کے پیچھے چند جوان اور بوڑھے بخاری بڑی توجہ سے سن رہے ہیں۔ دوسری طرف نظر ڈالیے تو ایک حجازی خوش الحان حجازی لہجہ میں پورے نشاط سے قرآن پڑھ رہے ہیں، ان کے پیچھے ایک اچھی خاصی بڑی جماعت ہے جس میں عربی، ہندی اور دوسرے ملکوں کے مہاجرین اور حجاج ہیں۔

حرم نبوی کا صحن اور دالان ان قرآن پڑھنے والوں کی (جن میں کچھ نماز میں مشغول ہیں اور چند تلاوت میں مصروف ہیں) آوازوں سے گونج رہا ہے محراب عثمانی سے باب مجیدی تک یہی سماں ہے۔ ان کے علاوہ بجلیوں اور قمقموں تلے بچے، اور بوڑھے ہاتھوں میں حمائل اور قرآن لیے مشغول تلاوت ہیں۔ مسجد نبوی کے دالان خصوصاً روضۂ جنت اور اس سے زائد محراب نبوی میں نوافل ادا کرنے والوں کا تانتا لگا ہے۔ بلکہ محراب نبوی پر تو لائن لگی ہے اور ایک کے پیچھے ایک کھڑا ہے کہ کس طرح اس کو جگہ مل جائے۔

خدایا یہ تیرے بندے عجیب و غریب ہیں کئی گھنٹے گزر گئے مگر جو قیام میں ہو وہ قیام ہی میں ہو جو تلاوت میں ہو وہ ویسا ہی تلاوت میں مشغول ہو، بازار میں چہل پہل ہو، رونق ہو، دلچسپی کے تمام سامان ہیں مگر ان کو سوائے تیری حضوری کے اور کسی کام سے دلچسپی نہیں، نہ یہ تھکتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں "لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ" اے اللہ مجھے بھی ان جیسا شوق عطا فرما۔

(۴) آج جمعہ کا دن ہو۔ مدینۂ منورہ میں میرا یہ پہلا جمعہ ہو، ہر طرف چہل پہل ہو۔ اذان جمعہ سے بہت پہلے لوگ مسجد پہونچ چکے ہیں، پہلی صف تو گھنٹوں پہلے ہی پُر ہو چکی، میں اذان سے ایک گھنٹہ پہلے اس نیت سے پہونچا کہ مجھے بھی آگے امام کے قریب جگہ مل جائے، بڑی کوششوں اور کاوشوں کے بعد مجھے جگہ ملی تو اکیسویں صف میں، وہ بھی ستونوں کے درمیان (یہ واضح رہے کہ یہ حالت اس وقت ہوتی ہو جب حجاج آرہے ہوں یا آچکے ہوں)

اذان ہوتے ہی تمام دروازے نمازیوں سے پُر ہوگئے۔ ان کے قدموں کی آوازیں گھروں تک آرہی تھیں۔ تسبیحوں کا عام رواج ہو، ہر شخص کے ہاتھ میں تسبیح نظر آئے گی، بچے، بوڑھے، جوان، مرد و عورت سکون و وقار سے چلتے نظر آئیں گے۔ عامی ہو یا عالم، ایک معمولی سا سپاہی ہو یا بڑے سے بڑا عہدہ دار سب بارگاہِ نبوی میں ایک ہی لباس میں نظر آرہے ہیں۔

امام صاحب ایک مرد صالح اسم بامسمّیٰ بزرگ ہیں، عمر تقریباً ۷۰ سال ہو، نجدی عالم ہیں۔ ضعیف و نحیف، نورانی صورت، نہایت خلیق و متواضع۔ جمعہ کے دن حرم نبوی کے قمقمے اور بجلیاں یہاں کے خاص خدام (اغوات) صاف کرتے ہیں۔

امام صاحب اثناء خطبہ میں جب بھی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیتے ہیں تو اپنا منھ سرور عالم صلی اللہ وسلم کی جانب پھیر دیتے ہیں، وہ عجب منظر ہوتا ہو جس وقت اس کا تصور کیا مشاہدہ ہوتا ہو کہ حضور یہیں آرام فرما ہیں اور آپ کے دونوں خلفا جن کے یکے بعد دیگرے خطبہ میں نام لیے جاتے ہیں یہیں محو خواب ہیں۔ اور خطبۂ ثانیہ میں جن کے نام لیے جاتے ہیں ان میں سے اکثر یہیں چند گز کے فاصلے پر بقیع میں آسودۂ خاک ہیں۔ یہی وہ مسجد نبوی ہو جہاں حضور ستون کے سہارے اور منبر نبوی پر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ ان سب باتوں کا خیال کرکے دل پر عجب اثر ہوتا ہو اور جمعہ اور اس کے خطبہ میں ایک نئی روح اور نیا کیف پیدا ہو جاتا ہو۔

(۳) حرم نبوی میں قاعدہ ہے کہ ہمیشہ تہجد کی بھی اذان ہوتی ہے۔ رمضان المبارک میں پوری رات حرم نبوی کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ اور باقی دنوں میں نماز عشا کے بعد دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ آج کل عربی وقت کے لحاظ سے سات بجے تہجد کی اذان ہوتی ہے۔ اور پانچوں مناروں پر پرسکون فضا میں قریباً ۸-۱۰ منٹ تک خوش الحان موذنوں کی اذانیں جو ترنم کے ساتھ دی جاتی ہیں ہوتی رہتی ہیں یہ اذان رمضان المبارک میں سحری کی علامت ہے، اس کے علاوہ سحری کی دوسری علامت جو دور کے بسنے والوں کے لیے ہے وہ منارۂ بلالی پر ایک روشنی ہوتی ہے۔ نماز فجر کے بعد عام طور سے لوگ اسی حرم نبوی کے صحن و دالان میں سو جاتے ہیں۔

(۴) ادھر عصر کی نماز ختم ہوئی اُدھر روزے داروں نے افطار کا سامان مہیا کرنا شروع کیا۔ اگرچہ عصر اور مغرب کے درمیان تین گھنٹے کا فصل ہوتا ہے مگر لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوجاتی ہے۔ بازار میں خرید و فروخت شباب پر ہے، کھجور اور انگور کے سڑکوں کے کنارے دوکانوں پر خوشے کے خوشے نظر آرہے ہیں دہی اور دودھ ہر سمت بکتا نظر آرہا ہے۔ مسجد نبوی روزے داروں سے پُر ہوتی جارہی ہے۔ ہزاروں مٹی کی نازک صراحیاں جن کو یہاں "شُربہ" کہتے ہیں لکڑی کے بکسوں میں رکھی ہیں۔ مغرب سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے خوش پوشاک، شریف صورت، نوعمر بچے کاندھوں پر لانبے لانبے تولیے ڈالے، انگلیوں میں صراحیاں تھامے، ایک ایک ہاتھ میں پانچ پانچ، چھ چھ صراحیاں انگلیوں میں پروئے ہوئے آتے ہیں اور بکسوں کے اندر رکھ جاتے ہیں۔ روزہ دار حسب مرضی دو دو ایک ایک صراحی اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔

مغرب کا وقت قریب سے قریب تر آتا جاتا ہے اور مسجد بھرتی جاتی ہے، صحن و دالان میں ٹولیاں بیٹھی ہیں، افطار کا سامان جس میں عام طور پر انگور و کھجور ہی ہوتے ہیں، رکھا ہے۔ اور سامنے وہی ٹھنڈے شُربے جس کا پانی برف کے مانند ہوتا ہے۔

دن بھر کا روزہ، دن بہت بڑا، گرمی کی شدت، مغرب کا قرب، سامنے ٹھنڈے شُربے، دو تین منٹ باقی ہیں، ہر شخص بے چینی سے منتظر ہے، آنکھیں مناروں پر، اور کان موذن کی آواز پر، ادھر اذان ہوئی اُدھر ایک ہاتھ میں شُربہ، دوسرے میں کھجور و انگور، جو لذت اس وقت محسوس ہوتی ہے وہ تحریر میں نہیں آسکتی۔

(۵) آئیے آج آپ کو مسجد نبوی کی زیارت کرائیں۔ آپ باب مجیدی سے جو گنبد خضراء کے عین سامنے ہے داخل ہوں، عصر کا وقت ہے، نماز ہو چکی ہے، جانے والے جا چکے ہیں، اپنے دائیں طرف سے چلنا شروع کیجیے، دیکھیے یہ سامنے ایک عمر رسیدہ عالم صاحب بیٹھے علم و ادب و معانی کا درس دے رہے ہیں۔ ان کے ارد گرد پچیس تیس طلبہ مختلف ملکوں اور شہروں کے بیٹھے ہیں۔ اسی طرح ان کے آگے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مختلف دینی مجلسیں گرم ہیں، وہ دیکھیے تھوڑے فاصلے پر ایک صاحب وعظ کہہ رہے ہیں اور بہت سے لوگ وعظ سن رہے ہیں۔ کہیں الگ الگ لوگ بیٹھے ہوئے ذکر اللہ میں مشغول ہیں۔ اور آگے بڑھیے وہ سامنے ایک وسیع حلقہ ہے جس میں بچے اور بوڑھے، ہر عمر اور علم والے لوگ بیٹھے ہیں۔ اس میں نجدی بھی ہیں، حجازی بھی، مصری بھی اور ترکی بھی، مختلف ملکوں کے مہاجر بھی، کتابیں کھلی ہیں اور تقریر ہو رہی ہے۔

وہ دیکھیے معتکفین کے ڈیرے لگے ہیں۔

لیجیے باب الرحمۃ آگیا، یہ دیکھیے سامنے جالیوں سے ملے ہوئے بہت سے غرباء اور فقراء میلے اور بوسیدہ کپڑے پہنے اپنے سامنے چادریں اور برتن رکھے بیٹھے ہیں، ان کے دوسری طرف یتیم بچے (دار الیتامیٰ کے) ایک لباس میں ملبوس کتنے سکون اور ترتیب سے بیٹھے ہیں اور اپنے مربی کے حکم کے منتظر ہیں۔ ادھر مربی کا حکم ہوا ادھر وہ ترتیب وار چلنا شروع ہو گئے۔

دالان میں وہ دیکھیے جہاں سیدنا ابو بکرؓ کا خوخہ (چھوٹا دروازہ) ہے۔ اس کے قریب ایک حجازی قاری کس درد بھرے لہجے سے قرآن کریم پڑھ رہا ہے اس کے ارد گرد ہندستانی، حجازی، جاوی، ترکی و شامی اور مصری گھیرا ڈالے قرآن شریف سن رہے ہیں، اور وہ بیخودی میں مست ہو ہو کر تلاوت میں مشغول ہے۔ ترکی حجاج رقت و تاثر میں ممتاز ہیں۔ ایک ترکی تو ڈھاڑیں مار مار کر رو رہا ہے۔

اچھا آگے بڑھیے، وہ سامنے کتنا وسیع حلقہ ہے، یہ حدیث کا درس ہے۔ یہ حلقہ تمام حلقوں میں زیادہ وسیع اور ممتاز ہے، یہ درس عام فہم ہے، ہر شخص اس سے مستفید ہو رہا ہے۔ یہاں افریقہ کے ایک عالم عبد الرحمٰن السودانی جو مدرسہ دار الحدیث میں مدرس ہیں ریاض الصالحین کا درس دے رہے ہیں۔ ۲۵۔ ۳۰ طلبہ زیر درس ہیں، ان کے علاوہ بہت سے عام لوگ بھی سن رہے ہیں،

ان کی تقریر لکھی ہوئی واعظانہ طرز پر ہے، آسان مسائل، عام فہم باتیں، صحابہ کے حالات، تقریر پر جوش آواز تیز ہے۔

ان سے کچھ فاصلے پر ایک دوسرے استاد محمد الحرکانی النجدی درس دے رہے ہیں۔ ان کا درس پہلے درس سے مختلف، علمی مذاق رکھنے والے اور ذی استعداد حضرات کے قابل ہے۔ مسائل بلند اور اختلافی ہیں جس کی وجہ سے سوائے طلبہ کے دوسرے لوگ کم سمجھتے ہیں۔

یہ دونوں حلقے سب سے بڑے حلقے ہیں۔ انھیں دو حلقوں ہیں، روضۂ جنت تو عبادت گزاروں سے بھرا ہے۔ آوازیں آرہی ہیں منبر نبوی سے لے کر حجرۂ شریفہ تک جگہ نہیں، پوری جگہ پر ہے۔

وہ دیکھیے سامنے باب النساء ہے، اس پر عورتوں کا اچھا خاصا اجتماع ہے عربی و ہندی و جاوی عورتیں قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہیں بہت سی عورتیں کھڑے بیٹھی تلاوت کر رہی ہیں اور تسبیحوں میں مشغول ہیں اصحاب صفہ کا چبوترا باب النساء سے ملا ہے اس پر قطار در قطار اغوات (خوجے) اپنے مخصوص لمبے لباس، چوڑی اور لمبی آستین والے خاص طرز کے جبے، ایک خاص قسم کی پگڑی پہنے، بڑی بڑی تسبیحیں لیے بیٹھے ہیں، یہ سب روضۂ نبوی کی جانب متوجہ ہیں اور بڑے منکسر المزاج دیندار خدمتگذار ہیں کسی سے آجتک سوال نہیں کیا کوئی اگر انکی خدمت میں کچھ پیش کرنا چاہے تو تواضع کیساتھ قبول کر لیتے ہیں،

اچھا آگے نظر ڈالیے اسی اصحاب صفہ کے چبوترے کے قریب ایک صاحب زبانی احادیث زور زور سے پڑھ رہے ہیں انکے ارد گرد بہت سے آدمی کھڑے ہیں، مصری حجاج بڑے غور سے انکو دیکھتے ہیں معلوم ہوا ہے کہ ان صاحب کو قریباً ڈیڑھ ہزار حدیثیں مع سند کے یاد ہیں اور یہ صاحب پانچوں نماز کے بعد یاد رکھنے کی خاطر اسی طرح پڑھتے رہتے ہیں۔

اچھا اب آئیے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ شریف میں چلیے۔ یہ دیکھیے کتنا اژدہام ہے کہ تل رکھنے کی جگہ نہیں، دور دور تک آدمی کھڑے ہیں، آوازوں کا عالم یہ ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کوئی تنہا سلام پڑھ رہا ہے کہیں مجمع ہے کوئی خود پڑھ رہا ہے کسی کو مزور پڑھوا رہے ہیں، کوئی خاموش کھڑا ہے، کوئی بلک بلک کر رو رہا ہے، کسی کے صرف آنسو رخسار پر ڈھلک رہے ہیں، سب کی نظریں نیچی ہیں، دائیں بائیں دو شرطی (سپاہی) کھڑے ہیں تاکہ کوئی خوش اعتقادی میں حد ادب سے تجاوز نہ کرے حضور کے ساتھ ساتھ شیخین (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) پر بھی سلام پڑھا جا رہا ہے اور قیامت تک پڑھا جاتا رہیگا، دن رات یہاں یہی شغل رہتا ہے، ان نظاروں کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر ہے ؎

راہ اس محفلِ رنگیں کی دکھا دے سب کو اور اسی بزم کا دیوانہ بنا دے سب کو

(۶) لیجیے عید آہی گئی، کہاں کی عید، مدینۂ منورہ کی عید، عید تو آپنے نہ معلوم کتنی بار کی ہوگی اور کس کس طرح

کی ہوگی، اب مدینہ منورہ کی عید دیکھیے، رات ہی سے دوکانیں کھل گئی ہیں، گھر گھر، در در خوشیاں منائی جارہی ہیں کھجور کی دکانوں پر میلا لگا ہو، فطرے کیلیے سیکڑوں آدمی کھجور خرید رہے ہیں، صرافوں کی دکانیں کھلی ہیں، نوٹوں سے روپئے اور روپیوں کی ریز گاری بھنائی جارہی ہو، بازار مٹھائیوں، پھلوں سے بھرا پڑا ہو، سورج نکلنے سے قریباً ۲۰ منٹ بعد نماز عید ہوتی ہو، نماز فجر ہی سے مسجد بھر جاتی ہو، نماز عید عربی وقت سے ۱۲ بجکے ۲۴ منٹ پر ہوتی ہو۔

مسجد نبوی آج لوگوں سے اتنی پُر ہو کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں، زرق برق لباسوں سے ملبوس عرب اور غیر عرب، غریب و امیر آتے جاتے نظر آرہے ہیں، عطر اور خوشبو کی مہک سے گلیاں معطر، باب السلام سے باب النساء اور محرابِ عثمانی سے باب مجیدی تک سر ہی سر دکھائی دے رہے ہیں، اس ازدحام کے باوجود سکون و سکوت طاری ہو۔

مواجہ شریف چلیے اور سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دیجیے معلوم ہوتا ہو کہ ہم سب عیدی لینے آئے ہیں، اس وقت کا سلام جس درد اور خوشی سے پڑھا رہا ہو اس کی کیفیت اسی در پر نظر آسکتی ہو جسے دیکھیے آنکھوں میں آنسو بھرے سلام کا گلدستہ پیش کررہا ہو۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

جی چاہتا ہو کہ کسی طرح جالیوں سے لپٹ لپٹ کر روئیں اور قربان ہوں ؎

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر

ادائیں لاکھ اور بیتاب دل ایک

نماز ختم ہو چکی ہو، مبارکبادیوں کا سلسلہ شروع ہو چکا ہو، جسے دیکھو خوشی و مسرت کا پیام دوستوں اور احباب، چھوٹوں، بڑوں، کو دے رہا ہو، خوشی و مسرت سے تمام چہرے کھلے ہیں، خوشبو سے گلی گلی مہک رہی ہو۔ مواجہ شریف کا ازدحام بڑھتا جارہا ہو، آج عجیب حال ہو ایک پر ایک ٹوٹا پڑتا ہو، شعرا نعت پڑھ رہے ہیں کسی زبان پر سلام کا ایسا نغمہ ہو جو ختم ہونے میں نہیں آتا، کوئی ٹوٹے پھوٹے سیدھے سادے الفاظ میں مگر بڑے اخلاص اور سوز کے ساتھ سلام عرض کرتا ہو، کوئی ٹکٹکی لگائے کھڑا رہا ہو اور کوئی صرف آنسو گراتے ہوئے خاموشی کی زبان سے اپنی بپتا سنا رہا ہو ؎

سلام علی انوار طلعتک التی

اعیش بہا شکراً و افنی بہا وجدا

چند تجربے اور مشورے

(از جناب مولانا الحاج محمد اویس صاحب ندوی نگرامی)

(۱) اللہ تعالیٰ جس مسلمان کو حج بیت اللہ اور زیارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق نصیب فرمائے اس کو چاہیے کہ اس مبارک سفر کے لیے ایسے مال کا انتظام کرے جو حلال، پاکیزہ ہو اور زکوٰۃ ادا کی جاچکی ہو جو مال طیب اور حلال نہ ہو کسی وقت میں بھی اس کو اپنے استعمال میں لانا درست نہیں ہو، بالخصوص ایسے مبارک سفر میں اور بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، پچھلے سال مجھکو اسلامی جہاز پر دو ایسے دوستوں سے ملاقات کا اتفاق ہوا جو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ حرمین شریفین کے لیے سفر کر رہے تھے، لیکن انھوں نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کی تھی۔ بعد کو سمجھانے سے کم از کم اس رقم کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا ارادہ کر لیا تھا جس کو وہ سفر حج کے لیے لے کر گھر سے نکلے تھے اور وعدہ کیا تھا کہ آئندہ سے زکوٰۃ کا باقاعدہ انتظام رکھیں گے۔

(۲) سفر حج کے لیے مصارف سفر کے انتظام میں، سامانِ سفر کی درستگی میں اعزا اور احباب سے ملنے میں، دعوتوں کے کھانے میں، عازمین بیت اللہ کا بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ کاش اس کا آدھا وقت بھی وہ مسائل حج کے سیکھنے اور اس کے سمجھنے میں صرف کرتے تو ان کے حق میں بہت مفید ہوتا! عموماً حجاج یہاں اس بھروسے پر جاتے ہیں کہ حجاز میں معلمین حج کرا دیں گے۔ حالاں کہ معلمین موسم حج میں اس قدر مشغول ہوتے ہیں کہ ان کے لیے یا ان کے رفقا کے لیے آسان نہیں ہے کہ وہ ہر حاجی کو مسنون طریقہ پر ارکان حج ادا کرا دیں۔ اس لیے جب تک حاجی خود صحیح طریقہ پر ارکان حج کی ادائیگی کا اہتمام نہ کرے گا اسکو سنت کے مطابق حج کرنا مشکل ہے تو پچھلے سال حج کے موقع پر متعدد ایسے واقعات میرے سامنے آئے جن سے اندازہ ہوا کہ یا تو معلمین اور ان کے رفقا مسائل حج سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے ہیں، یا اگر واقف ہوتے ہیں تو ان کی ادائیگی میں اس درجہ تساہلی اور غفلت سے کام لیتے ہیں جو انتہائی دردناک ہوتا ہے۔ اس لیے میری گذارش ہے کہ ارکان حج کی ادائیگی میں محض معلمین

پر ہرگز ہرگز بھروسہ نہ کیا جائے بلکہ خود ہی حج کے مسائل کو پوری طرح سیکھ لیا جاوے اور اگر حاجی تعلیم یافتہ ہے تو مناسک حج پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کو بار بار پڑھ لے۔ اردو تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے مناسک حج میں معلم الحجاج بہترین کتاب ہے۔

معلمین کی ضرورت ارکان حج کی ادائیگی میں بہر حال پڑے گی، مثلاً یہ کہ اگر آپ کو مسائل حج معلوم ہیں تب بھی مقامات نہیں معلوم ہیں۔ اس لیے ایسے موقعوں پر معلمین یا ان کے رفقا کے بغیر چارہ کار نہیں، مگر نفس مسائل کی ادائیگی میں آپ کو مضبوطی سے ان طریقوں پر جمنا چاہیے جو آپ نے مستند کتابوں میں پڑھا ہے۔ یا مستند عالموں سے سیکھا ہے۔ معلمین یا ان کے رفقا خواہ کتنا ہی آپ کی روش پر برافروختہ ہوں۔

(۳) سفر حج کی ابتدا سے لے کر انتہا تک یہ منظر انتہائی اندوہناک ہوتا ہے کہ عموماً حجاج آداب سفر کا لحاظ نہیں فرماتے ہیں، جو باتیں عام حالات میں بھی نامناسب ہوتی ہیں اس مبارک سفر میں بھی وہ باتیں عادت کی بنا پر برملا ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔

پچھلے سال لکھنؤ اسٹیشن پر جبکہ حجاج کا بڑا قافلہ بمبئی کے لیے روانہ ہو رہا تھا، یہ واقعہ دیکھنے میں آیا کہ ایک قافلہ نے ریل کا ڈبہ ریزرو کرا لیا تھا لیکن جیسے ہی ریل اسٹیشن پر پہونچی تو ان حجاج نے اس ڈبہ پر قبضہ کر لیا جنھوں نے ریزرو نہیں کرایا تھا۔ بار بار تبلانے پر بھی ان لوگوں نے ان جگہوں کو نہیں چھوڑا، اس پر کافی تلخی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ اسی طرح واپسی میں جدہ میں علوی جہاز پر جگہ حاصل کرنے کے لیے حجاج میں اس قدر سخت ہنگامہ ہوا کہ مار پیٹ کی نوبت آ گئی اس جنگ میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شریک تھیں۔

بمبئی میں مسافر خانوں میں، اور آمد و رفت میں جہاز میں جگہ حاصل کرنے کے لیے، اور حجاز میں موٹروں اور اونٹوں پر اور منیٰ اور عرفات میں جگہوں پر قبضہ کرنے کے موقع پر، نیز دوسرے ایسے مواقع اس قسم کی بدعنوانیاں عموماً ہوتی رہتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر حجاج بار بار سفر حج کے آداب اور حج کی عظمتوں کو ذہن نشین کرتے رہیں۔ اور حج کے مفہوم اور مقصد پر برابر غور کرتے رہیں تو انشاء اللہ یہ مبارک سفر اپنے آداب کے ساتھ طے ہو جائے گا اور اس کی برکتیں نصیب میں آئیں گی۔

(۴) جہاز جس وقت جدہ کے ساحل پر لنگر انداز ہوگا اسی وقت سے حجازیوں کا اور حجاج کا

ایک دوسرے سے سابقہ پڑنا شروع ہو جائے گا اور پھر آخر میں واپسی کے وقت جدہ کے ساحل ہی پر یہ ساتھ ختم ہوگا۔

حجازیوں میں جن لوگوں سے عموماً حاجیوں کا سابقہ پڑتا ہے وہ کشتی والے، مزدور، اونٹ والے یا موٹر والے، ڈرائیور، معلم، مزدور، وکیل، اور ان لوگوں کے کارندے، اور سائل ہوتے ہیں۔ حاجیوں کو چاہیے کہ وہ ان سب کو بھی اپنا ہی جیسا انسان سمجھیں۔ اور خواہ مخواہ کے لیے ضرورت سے زیادہ حسن ظن کو دخل نہ دیں، ان میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی، نرم مزاج بھی ہیں اور سخت مزاج بھی ہیں، بے غرض بھی ہیں اور لالچی بھی! حجاج عام طور پر یہ خیال لے کر جاتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ میں سب اولیاء اللہ ہی بستے ہیں۔ مگر جب معاملات پڑتے ہیں تب وہ حیرت زدہ ہو جاتے ہیں اور بعض وقت نہایت مکروہ فقرے زبان سے نکال ڈالتے ہیں۔ اگر وہ شروع ہی سے اس قدر حسن ظن کو دخل نہ دیں تو یہ صورت حال نہ پیدا ہو۔ نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ محض ان طبقوں پر بقیہ دوسرے مکہ مدینہ والوں کو ہرگز نہ قیاس کرنا چاہیے۔ ہم لوگ جن کو اپنی تہذیب، تمدن، اور معاشرت و اخلاق پر بڑا ناز ہے۔ وہ اہل مکہ اور اہل مدینہ کی تہذیب، معاشرت اور ان کی اخلاق و تمدن کو پا نہیں سکتے! عام حاجیوں کو اس طبقہ کے لوگوں سے سابقہ ہی نہیں پڑتا ہے۔ وہ تو چند مخصوص لوگوں کے درمیان گھرے رہتے ہیں۔ یہ بات اس لیے کھول کر بیان کرنا پڑی تاکہ عام حجاج عام اہل مکہ اور اہل مدینہ کے حقوق اور ان کے مراتب کا لحاظ رکھ سکیں اور اس معاملہ میں ان سے کوئی کوتاہی نہ ہو۔

(۴) حجاج کو خصوصیت کے ساتھ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ وہ عام اہل مکہ، اہل مدینہ یا اسی طرح دوسرے ممالک اسلامیہ سے آئے ہوئے عام حجاج کی ہر بات میں تقلید کی کوشش نہ کریں۔

جس طرح ہمارے ہندوستان میں عوام دین سے ناواقف ہیں اور عموماً ان کا ہر عمل شریعت کے مطابق نہیں ہوتا ہے اس لیے بے سمجھے ہوئے ان کی ہر بات کی نقل اتارنا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔ اس لیے نماز، مناسک حج، وضع قطع، صورت شکل، اور دوسرے معاملات میں ان طریقوں کو چھوڑنا درست نہیں ہے، جن کو ہم نے مستند کتابوں میں پڑھا ہے، یا مستند علماء سے سیکھا ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ حج کے موقع پر دنیائے اسلام کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ ان کے مسلک مختلف ہوتے ہیں، مثلاً کوئی حنفی ہوتا ہے کوئی شافعی، کوئی مالکی، کوئی حنبلی، کوئی ظاہری،

شیعہ صاحبان بھی ہوتے ہیں، اب اگر ہم خواہ مخواہ سب کی نقل آتارنا شروع کریں تو بس اسی کے ہو رہیں گے اس لیے ان معاملات میں بہت احتیاط چاہیے۔

(۵) مکۂ معظمہ کے زمانۂ قیام میں عموماً لوگ سیر و تفریح میں پڑ جاتے ہیں۔ بے شبہ جو متبرک مقامات ہیں ان کی زیارت سے نفع اندوز ہونا چاہیے۔ مگر زیادہ وقت مسجد حرام میں اور خانۂ کعبہ کے طواف میں صرف کرنا چاہیے۔ یہ دولت ہر شخص کو بار بار نہیں ملتی ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ کعبہ صفا، مروہ، زمزم، منیٰ، عرفات، اور مزدلفہ کی عظمتوں، برکتوں اور ان کے فضائل کا جس قدر خیال غالب رہے گا، اور دینی اعتبار سے ان مقامات کی تاریخ جس قدر معلوم ہوگی اسی قدر کیفیت پیدا ہوگا، مناسک صحیح طور سے ادا ہوں گے۔ اور انشاء اللہ برکات معنوی سے انسان بہرہ اندوز ہوگا۔ اس لیے اس وقت کو ضائع نہ کرنا چاہیے اور قلب و قالب کو حق تعالیٰ کی یاد میں لگانا چاہیے جو لوگ تعلیم یافتہ ہیں وہ مستند کتابوں کے ذریعہ ورنہ پڑھے لکھے لوگوں سے ان مقامات کی بلندی کا حال معلوم کرکے ان کی پوری قدر کرنا چاہیے۔

اسی طرح مدینۂ طیبہ میں حاضری کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل مناقب حضور کی عظمتوں اور امت کے حال پر حضور کی شفقتوں کا استحضار رہنا چاہیے مسجد نبوی کے آداب کا دھیان رہنا چاہیے جس قدر ان امور کا خیال غالب رہے گا انشاء اللہ حقوق میں کوتاہی نہ ہوگی اور برکات محسوس طور پر حاصل ہوں گے۔

ایک بڑی کوتاہی روضۂ مبارک پر حاضری کے وقت لوگوں سے یہ ہوتی ہے کہ مزور کے ساتھ زور و شور سے صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اور وہ تمام آداب جو اس موقع پر برتنا چاہئیں ان سے غفلت کرتے ہیں۔ خوب سمجھنا چاہیے یہ بڑے ادب کا مقام ہے۔ ایسا کوئی فعل جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا باعث ہو اس سے قطعی پرہیز کرنا چاہیے۔

(۶) حجاج کی خدمت میں میری آخری معروضات یہ ہیں کہ سامانِ سفر کم، مگر اپنی ضرورت کے اعتبار سے پورا ضرور لینا چاہیے۔ مصارف میں نہ تو فضول خرچی کی جائے اور نہ جز رسی سے کام لیا جائے میں نے دیکھا ہے کہ لوگ بے موقع بہت خرچ کرتے ہیں اور موقع پر خسّت سے کام لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح اگر لوگ اپنے کو صبر کا عادی بنائیں اور بہت جلد پریشان نہ ہو جایا کریں،

تو بڑی حد تک وہ آرام پا سکیں گے۔ جہاز میں چڑھنے کے وقت اور اترنے کے وقت عجب سراسیمگی کا عالم ہوتا ہے۔ حالاں کہ خوب معلوم ہے کہ جہاز تمام حجاج کو لیے بغیر اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے گا۔ اسی طرح جدہ سے مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ کے سفر کے وقت نیز منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کی روانگی کے وقت لوگ اپنے کو قابو میں رکھیں اور خواہ مخواہ پریشان نہ ہوں تو انشاء اللہ کوئی مشکل پیش نہ آئے گی، بحمد اللہ کہ مجھے کسی موقع پر کوئی زحمت نہیں پیش آئی، صرف ایک وقت ایسا ضرور آیا کہ ناتجربہ کاری کی وجہ سے مجھ کو تھوڑی دیر کے لیے الجھن پیدا ہو گئی تھی۔ وہ موقعہ مزدلفہ کی رات کا تھا۔ عرفات سے مغرب کے وقت تمام حجاج آکر مزدلفہ میں قیام کرتے ہیں۔ چند گھنٹوں کے لیے لاکھوں آدمیوں کا مجمع ایک مقام پر جمع ہو جاتا ہے۔ رات کا وقت اجنبی مقام، پانی کہاں ملے؟ کھانا کہاں ملے؟ کسی طرف جانے کا راستہ نہیں، اور اگر آپ چلے بھی گئے تو اپنے رفقاء تک واپس آجانا اور ان کو اس مجمع میں تلاش کر لینا مشکل! اگر ہم لوگ عرفات ہی سے اونٹ یا لاری پر اپنے ہمراہ پانی لیتے آتے تو کوئی زحمت نہ ہوتی، خدا کے فضل و کرم سے پانی ملا، مگر کافی انتظار اور زحمت کے بعد! اس لیے میرا مشورہ ہے کہ حجاج مزدلفہ کے لیے عرفات ہی سے تیار ہو کر جایا کریں۔

اسی طرح سفر حج میں اچھے رفقاء ضرور تلاش کریں، اچھے رفقاء خدا کی بڑی نعمت ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اس دولت سے پوری طرح سرفراز کیا گیا تھا، اول سے آخر تک میرے سفر کے رفیق حاجی محمد نسیم صاحب نگرامی اور حاجی عبدالمجید صاحب نگرامی تھے۔ ان حضرات نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ میرے ذمہ ان لوگوں کا کوئی حق نہیں ہے۔ البتہ ان کے ذمہ میرے تمام حقوق ہیں۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ تھا کہ ہم لوگوں کے تعلقات بحمد اللہ بڑھتے ہی گئے غالباً ایسی رفاقت کی مثالیں کم ملیں گی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک!

بہرحال اچھے رفقاء تلاش کیے جائیں مگر ان کے جذبات کا ہر دم احترام کیا جائے اور اپنے ذمہ بھی ان کے حقوق سمجھے جائیں۔ تو انشاء اللہ سفر میں بہت آسانی ہوگی۔

عازمین حج کو چند مشورے

اور

ضروری اطلاعات

(از جناب حاجی احمد عبد اللہ صاحب چیرمین پورٹ حج کمیٹی بمبئی)

حج کا ارادہ کرنے والے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ پہلے سے اپنے ٹکٹ کا انتظام کرے، اس کے لیے مغل لائن لمیٹڈ بنک اسٹریٹ فورٹ بمبئی، اور سندھیا اسٹیم نیوی گشن بلارڈ اسٹیٹ بمبئی یہ دو کمپنیاں ہیں، ان میں سے کسی ایک کو درخواست بھیجدینی چاہیے۔ درخواست میں نام، ولدیت، عمر اور پورا پتہ تحریر کرنا ضروری ہے (احتیاطاً اس درخواست کی ایک نقل پورٹ حج کمیٹی بمبئی متصل کرافرڈ مارکیٹ کو بھیجی جائے تو بہتر ہے)، کمپنی کی طرف سے جواب آنے پر حسب تصریح بمبئی آجانا چاہیے۔ بمبئی میں حجاج کے قیام کے لیے دو مسافر خانے ہیں۔ ایک صابو صدیق مسافر خانہ متصل کرافرڈ مارکیٹ اور دوسرا داڑی بندر مسافر خانہ جعفر سلیمان۔ اول الذکر مسافر خانہ میں حج کمیٹی اور جہاز راں کمپنی کے دفتر ہیں، ٹیکہ اور انجکشن کے ڈاکٹر بھی یہاں ہوتے ہیں۔ احرام و کفن کا کپڑا اور غلہ بھی اسی مسافر خانہ میں سرکاری دام سے دستیاب ہوسکتا ہے، موسم حج میں یہ دونوں مسافر خانے ناکافی اور تنگ ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے حجاج کو دیگر جماعت خانوں میں جو میمن قوم کے ہیں نیز قیصر باغ وغیرہ میں ٹھہرانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ بہت سے حجاج اپنے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے پاس بھی ٹھہرتے ہیں، (اگر حجاج کے ساتھ غیر حاجی کم آئیں تو بہتر ہے)

اس سال نئے بین المللی قانون کے ماتحت ٹیکہ پندرہ روز قبل کا ہونا چاہیے۔ آپ اپنے ہاں کے لوکل بورڈ یا سرجن کے دفتر سے ٹیکہ لگوائیں اور مستند ڈاکٹر جو ایم، ڈی M.D یا کم ازکم ایم، بی، بی، ایس M.B.B.S. ہو اس ڈاکٹر سے ہیضہ کی سوئی لگوائیں، دوسرے ڈاکٹر سے

لگوائی گئی تو وہ تسلیم نہیں کی جائے گی اور پھر سے دوبارہ لگوانی پڑے گی۔ ٹیکہ اور سوئی لگ جانے کے بعد آپ کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ اگر ہو سکے تو اپنے ہاں سے حج کا پاسپورٹ بھی حاصل کر لیجیے۔ پاسپورٹ میں تصویر کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ان سب کاموں سے آپ فارغ ہو گئے ہیں تو جہاز کے روانہ ہونے سے صرف دو تین روز قبل آپ بمبئی تشریف لے آئیں۔ اور کپڑا و غلہ خرید لیں۔ سامان ٹھیک کر لیں ٹکٹ حاصل کر لیں، اس سال سعودی ٹیکس بھی یہاں بمبئی ہی میں وصول کر لیا جائے گا۔ اور جب تک سعودی ٹیکس ادا نہیں ہوگا آپ کے پاسپورٹ پر "ویزا" نہیں ہوگی اور ٹکٹ نہیں ملے گا۔

حج کمیٹی نے اس کے لیے یہ انتظام کیا ہے کہ نیدرلینڈ بنک والے اپنے نمائندہ کو حج کمیٹی بمبئی کے دفتر میں بٹھا دیں گے جو روپیہ وصول کر کے رسید دے گا۔

فی حاجی ڈیک کلاس کا ٹکٹ ساڑھے چار سو روپیہ ہے اور تین سو تہتر چھ آنہ سعودی ٹیکس ادا کرنے کے بعد صرف ۱۴۰۰ (چودہ سو) روپیہ نقد ساتھ لے جانے کی اجازت ہے، مزید براں چار ہزار تک کا بنک ڈرافٹ بھی لے جا سکتے ہیں۔ اگر ٹکٹ نصف ہوگا تو دو ہزار کا بنک ڈرافٹ لے جا سکتے ہیں۔ یہ ڈرافٹ بھی بذریعہ حج کمیٹی بنک والوں سے آپ کو بآسانی حاصل ہو جائے گا۔ آپ کو بنک تک جانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

فرسٹ کلاس کا ٹکٹ جن کا ہوگا ادھیں اپنے ساتھ نقد ۲۲۰۰ (دو ہزار دو سو) روپیہ لے جانے کی اجازت ہے اور بنک ڈرافٹ حسب مذکور مزید براں لیجا سکتے ہیں۔ البتہ نقدی زیادہ نہیں لے جا سکتے۔

جب آپ بمبئی میں ان تمام امور سے فراغت حاصل کر لیں تو اب اپنے سامان پر اپنا نشان یا پورا نام و پتہ لکھیے اور پکے رنگ سے لکھیے تاکہ کہیں گم ہو جائے تو آپ کے پتہ پر پہونچ جائے۔ غلہ کی بوریوں پر پورا نام بڑے حروف میں لکھیے۔ حجاج کو الوداع کہنے کے لیے جہاں تک ہو سکے کم سے کم لوگ آئیں اولاً تو اس لیے کہ یہاں مسافر خانہ میں غیر حاجی کو ٹھہرانے کی اجازت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ آنے والوں کی وجہ سے آپ بہت سے اپنے کام وقت پر انجام نہیں دے سکتے۔ قلت مکان کی وجہ سے بھی آپ اور وہ پریشان ہی ہوں گے۔ آپ کے کام میں مدد کرنے کے لیے انجمن خدام النبی بمبئی کے اراکین ہر وقت مسافر خانہ میں کمر بستہ تیار رہتے ہیں وہ آپ کو آپ کے کاموں میں ہر ممکن سہولت پہونچائیں گے۔

حج کمیٹی کی نگرانی میں جہاز پر جگہ حساب سے تقسیم ہوتی ہے۔ جو حاجی کو ان کے مزدور کے

ذریعہ ملتی ہے۔ فی حاجی پانچ روپیہ مزدوری کی شرح مقرر ہے اور اس میں فی حاجی پانچ چیزیں شمار کی جاتی ہیں۔ صندوق، بستر، ٹوکرا، کھٹیا اور غلہ کی بوری۔

جہاز میں ایک صاحب کو امیر الحاج بنایا جاتا ہے جس کا تقرر حج کمیٹی کرتی ہے اور وہ عام حجاج اور کپتان کے درمیان سفیر کا کام کرتا ہے۔ آپ اپنی شکایات امیر الحاج کے پاس پہونچائیں کیوں کہ وہ اپنی رپورٹ تیار کرکے ہندوستان قونصل مقیم جدّہ کے حوالہ کرتا ہے، وہاں سے بذریعہ حج کمیٹی وہ حکومت ہند کو پہونچائی جاتی ہے۔

بعض حجاج ناواقفی کی بنا پر اپنے ساتھ سونا یا اشرفیاں لے جاتے ہیں اس میں انھیں کافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک تو یہ کہ حکومت کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہے، دوسرے یہ کہ وہاں حجاز میں سونے کا بھاؤ کم ہے مثلاً اشرفی کا ہندوستان میں ۵ء چھپتر روپیہ ہے تو وہاں اس کا ساٹھ روپیہ ہے۔

جدہ میں کسٹم کی کوئی تکلیف نہیں ہے لیکن اگر کسٹم والوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کے پاس کوئی تجارتی مال ہے تو علاوہ ڈیوٹی کے آپ پر جرمانہ ہوگا۔

جدہ میں جہاز بالکل بندر پر کنارہ نہیں لگتا بلکہ موٹر بوٹ، لانچ اور کشتیاں جہاز کے پاس آتی ہیں اور سامان اتارنے والے مزدور بھی آتے ہیں، پہلے ڈاکٹر آجاتے ہیں۔ اونکے پاس کرنے کے بعد انڈین کونسل، جہازراں کمپنی والے، مزدوروں کے ٹھیکہ دار، اور مزدور آتے ہیں، اور سامان اور حجاج کو کشتی یا لانچ میں بٹھا کر لے جایا جاتا ہے۔ کشتی کے کرائے کے پیسے ٹکٹ کے ہمراہ لے لیے جاتے ہیں پھر بھی وہاں وصول کیے جاتے ہیں۔ عام طور پر موٹر لانچ کے فی کس ڈھائی روپے لیے جاتے ہیں پوری لانچ کے سوسے سوا سو روپے لیے جاتے ہیں اور کشتی کے پندرہ بیس روپے لیتے ہیں۔ جدہ میں معلمین کے وکیل رہتے ہیں وہ کسٹم پر یعنی گودی میں آپ کو لینے کے لیے آتے ہیں۔ آپ سے پاسپورٹ لیکر آپ کو اپنی جگہ پر لے جاتے ہیں۔ وہاں سے موٹر کا انتظام کیا جاتا ہے۔ گزشتہ سال تو ٹکس کے پیسے لینے دینے میں کافی وقت صرف ہوتا تھا مگر اب اس سال تو یہ روپیہ بمبئی ہی میں وصول کرلیا جائے گا اس لیے وہاں یہ خرخشہ باقی نہیں ہوگا۔

موٹر چار قسم کے ہیں (۱) چھوٹی موٹر جس میں چار سواری آسکتی ہیں۔ (۲) موٹر بس (۳) لاری

اور (۴) کھلی لاری۔ اگر آپ پوری موٹر یا لاری ریزرو کرنا چاہیں تو پوری موٹر یا لاری کے روپے ادا کر دینے سے ایسا ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح منیٰ و عرفات کے لیے بھی موٹر کا انتظام وہاں مکہ میں کیا جا سکتا ہے۔ جدہ سے مکہ پہونچنے پر معلم کے ذریعہ طواف سعی سے فارغ ہونے کے بعد مکان کا انتظام کیا جائے گا۔ کرایہ موٹر کی شرح حسب ذیل ہے۔

	جدہ سے مکہ تک	عرفات	مدینہ
چھوٹی موٹر کے	۶۰ روپیہ	۹۰	۲۴۰
موٹر بس	۳۰ 〃	۴۵	۱۲۰
لاری	۲۰ 〃	۳۰	۸۰
کھلی لاری	۱۰ 〃	۱۵	۴۰
اونٹ مع شقدف	۲۱ 〃	۶۶	۲[illegible]

جدہ، مکہ، اور مدینہ میں حکومت سعودیہ کی طرف سے حج کمیٹی مقرر کی گئی ہے، اگر کوئی شکایت ہو تو ان تک پہونچانی چاہیے۔ انڈین قونصل کے پاس بھی شکایت پہونچانے سے فائدہ ہوگا، ان کو ٹیلیفون سے بھی خبر کر سکتے ہیں۔ جدہ میں اترتے وقت اور واپسی کے وقت حجاج منزل سے بھی کافی مستفید ہو سکتے ہیں۔ والسّلام۔

حجاج میں تبلیغی و تعلیمی کام کی ضرورت

اور

اُس کا طریقِ کار

(از محمد منظور نعمانی)

گذشتہ سال (۱۳۶۷ھ) حج کو جانے والے بعض بڑے بڑے قافلوں میں کچھ تبلیغی کام کرنے کا اتفاق ہوا تو اپنی عمر میں پہلی مرتبہ یہ اندازہ کر کے بڑا دکھ ہوا کہ فی زمانناً جو لوگ حج کو جاتے ہیں اُن میں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوتی ہے جو دین کی ضروری اور بنیادی باتوں سے بھی ناواقف ہوتے ہیں، حتیٰ کہ اُن کو صحیح طور پر کلمہ پڑھنا بھی نہیں آتا، اور عملی حالت بھی اُن بیچاروں کی یہ ہوتی ہے کہ حج کے سفر میں بھی وہ نماز کے پورے پابند نہیں ہوتے، بلکہ بہت سوں کو صحیح طور سے نماز پڑھنا آتا بھی نہیں —— اور چونکہ اُن لوگوں کو اپنی اس حالت کا احساس بھی نہیں ہوتا اور اپنی اصلاح کی کوئی فکر نہیں ہوتی، اس لئے یہ بیچارے دین سے جیسے ناواقف جاتے ہیں ویسے ہی واپس آجاتے ہیں۔

اسی طرح ہزاروں حج کو جانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو دین سے اگرچہ اتنے ناواقف نہیں ہوتے، اور ان کی عملی حالت بھی اتنی خراب نہیں ہوتی بلکہ دینی معلومات بھی اُن کو حاصل ہوتی ہیں اور اُن کی زندگی بھی کسی درجے میں دیندارانہ زندگی ہوتی ہے، لیکن چونکہ حج کا زمانہ جس طرح اور جن مشاغل میں اور جن احتیاطوں کے ساتھ گزرنا چاہئے چونکہ وہ اُن کا پورا اہتمام نہیں کرتے اور پہلے سے حج کی برکات کیلئے اپنے کو تیار نہیں کرتے، اس لئے حج کی خاص برکات اور کیفیات سے وہ بھی محروم رہ جاتے ہیں اور اُن کا حال یہ ہوتا ہے، کہ ؎

بطوافِ کعبہ رفتم بہ حرم رہم ندادند
کہ برون در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

حالانکہ حج و زیارت کا یہ سفر ایسا مبارک سفر ہے اور اللہ تعالیٰ جن بندوں کو نصیب فرمائے اُن کے لئے یہ ایسا بہترین موقع ہے کہ اگر اس مقدس سفر میں اپنی اصلاح و درستی کا پہلے سے ارادہ کر لیا جائے اور اس کے لئے مندرجۂ ذیل طریقہ پر کوشش کی جائے تو انشاء اللہ بڑی آسانی سے اتنا ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کو اپنی عمر میں دین سیکھنے اور اپنی زندگی کو دینی زندگی بنانے کا موقع نصیب نہیں ہوا وہ صرف اس سفر ہی میں ضروری درجہ کی دینی تعلیم و تربیت حاصل کر کے اپنے کو ایک خدا شناس اور سچا مسلمان بنا سکتے ہیں ـــــــ اور جو لوگ پہلے سے بحمد اللہ دین سے واقف اور کسی درجہ کے دیندار ہیں وہ دین میں ایسی ترقیاں اور وہ مقامات حاصل کر سکتے ہیں جن کا وہ تصوّر بھی نہیں رکھتے ہیں۔

طریقۂ کار!

(۱) ایک شہر یا ایک ضلع یا ایک علاقہ سے جانے والے حجاج اپنا ایک جماعتی نظام بنا لیں اور اُن میں جو شخص دین کا زیادہ جاننے والا اور نیک صالح ہو اُس کو اپنا دینی معلم بنا لیں ـــــــ اور اگر بالفرض اپنے ساتھیوں میں کوئی اس قابل نہ ہو تو دوسرے مقامات کے حاجیوں میں سے کسی ایسے شخص کو اپنا معلّم (یعنی دینی باتیں بتانے اور سکھانے والا) بنا لیں، یا کسی دوسری جگہ کے حاجیوں کے تعلیمی و تربیتی نظام میں شریک ہو جائیں اور پورے سفر میں دینی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رکھیں۔

(اس تعلیم و تربیت کا طریقہ وہ ہے جو "تبلیغی جماعتوں" کا ہوتا ہے، کیونکہ مختلف درجہ کے لوگوں کی عمومی اور ضروری دینی تعلیم و تربیت کا وہی بہترین اور سہل ترین طریقہ ہے[1])۔

(۲) ہندوستان اور پاکستان سے جانے والے حاجیوں کو بمبئی اور کراچی میں تبلیغی کام کرنے والی جماعتیں انشاء اللہ برابر ملیں گی اور اُمید ہے کہ ہر جہاز میں بھی کوئی نہ کوئی جماعت

---

[1] تبلیغی جماعتوں کا طریقۂ کار اور اُنکے تبلیغی کام کے مقاصد اور اصول سے تفصیلی واقفیت کیلئے رسالہ "دعوتِ اصلاح و تبلیغ" دیکھنا چاہیے اور پوری واقفیت کسی تجربہ کار اور سلیقہ رکھنے والی جماعت کیساتھ کام میں شریک ہو کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

اس کام کی کرنے والی اور اس کے اصول اور طریقے کے جاننے والی ان کے رفیقِ سفر ہوگی پس ان جماعتوں سے آپ ربط و تعلق رکھیں، اور اُن کے ساتھ رہ کر دینی فائدہ حاصل کریں۔ یہ جماعتیں محض لوجہ اللہ اس سلسلہ میں آپ کی پوری خدمت کریں گی، اور یہ لوگ آپ کے اچھے رفیق ثابت ہونگے۔

(۳) حج کو جانے والوں میں جو حضرات ایسے ہوں جن سے عام جانے والوں کو دین کی تعلیم و تربیت کا فائدہ پہنچ سکتا ہے، اُنھیں چاہیئے کہ وہ اس کو اعلیٰ درجہ کی عبادت سمجھتے ہوئے اللہ کے بندوں کو زیادہ سے زیادہ دینی فائدہ پہنچانے کی کوشش فرمائیں، یہ انبیاء علیہم السّلام اور اُن کے وارثوں نائبوں کی خاص عبادت ہے جس کا ثواب اکثر حالات میں نفلوں سے اور اوراد و اذکار سے زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) ہر عازمِ حج کو چاہیئے کہ اس مقدّس سفر میں گناہ کے سب کاموں سے بلکہ فضول اور بے کار باتوں سے بچنے کی پوری کوشش کرے، اور جو وقت اپنے ضروری کاموں سے فارغ ہو وہ یا تو دین سیکھنے سکھانے میں (خصوصاً حج کے ارکان اور زیارت کے آداب کی تعلیم و تعلم میں) صرف کرے[1] یا اللہ کی عبادت اور اُس کے ذکر و فکر میں مشغول رہے، یا اچھی دینی کتابوں کے پڑھنے یا دوسروں کو اُن کے مضامین سنانے میں اپنا وقت صرف کرے۔

[ضروری دینی معلومات حاصل کرنے اور دین کے جذبات پیدا کرنے کے لئے مندرجۂ ذیل چند کتابوں کا مشورہ خصوصیت سے دیا جا سکتا ہے]۔

"حیات المسلمین" "ارکان اسلام" "اسلام کیا ہے؟" "فضائلِ نماز"
"فضائلِ حج" "فضائلِ ذکر" "فضائلِ قرآن" "حکایاتِ صحابہؓ"

(۵) بار بار دھیان کر کے اللہ کی عظمت و محبّت اور اُس کا خوف دل میں بٹھانے کی کوشش کی جائے۔

(۶) تمام جائز اور اچھے مقاصد کے لئے اس سفر میں کثرت سے دُعائیں کی جائیں، اللہ سے

---

[1] حج و زیارت سے متعلق مسائل اور آداب پر اُردو میں بہت سی اچھی اچھی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ فضائلِ حج اور معلم الحجاج یا رفیقِ حج اگر کسی کے پاس ہوں تو کافی ہیں۔ پڑھے لکھے حضرات کو کم از کم یہ کتابیں اپنے ساتھ ضرور رکھنی چاہئیں۔

دعا کرنا اعلیٰ درجے کی عبادت ہے، اور اس پاک سفر میں دعاؤں کی قبولیت کی امید بھی زیادہ ہے۔

(۷) ہر جانے والے کو اچھی طرح خیال رکھنا چاہیئے کہ میرا یہ سفر اللہ کے واسطے ہے اور اس کے مقدس گھر کی حاضری اور حضور انور کی مسجد شریف اور آپ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے ہے، اور میرے ساتھ جو اور جانے والے ہیں وہ سب بھی اسی مقصد سے جارہے ہیں اور یہ سب اللہ و رسول کے مہمان ہیں لہذا میری ذات سے ان میں سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، بلکہ جہاں تک ہوسکے میں دوسروں کو آرام پہنچاؤں چاہے مجھے تکلیف اٹھانی پڑے۔ شائد اللہ اسی عمل سے راضی ہوجائے کہ میں نے خود تکلیف اٹھا کے مہمانوں کو آرام پہنچایا، اور شائد اسی عمل کی برکت سے میرا حج قبول ہوجائے ——

حاجیوں سے اس معاملہ میں عموماً بڑی کوتاہی ہوتی ہے اور ہر شخص نفسی نفسی میں گرفتار ہو کر اپنے آرام اور اپنے فائدہ کے لئے دوسروں کو دکھ اور نقصان پہنچانے سے پرہیز نہیں کرتا ——

یہ چیز حج کے لئے زہر ہے اور اس سے حج کے برباد ہوجانے کا اندیشہ ہے، لہذا ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ پہلے سے اپنے نفس کو اس کے لئے تیار کرلے کہ میں اپنے آرام کے لئے دوسروں کو تکلیف نہیں دوں گا، یہ بات ذرا مشکل ضرور ہے لیکن اللہ کے یہاں اس کا درجہ بہت بلند ہے اور اللہ کے جو بندے اس سفر میں ایسا کریں گے ان کے متعلق پوری امید ہے کہ حق تعالیٰ ان کے حج کو خاص طور سے قبول فرمائے گا اور انھیں دین کی بڑی دولتوں اور برکتوں سے نوازے گا۔ ع

"دل بدست آور کہ حج اکبر ست"

(۸) اور سب سے اہم اور آخری بات یہ ہے کہ ریل میں، جہاز میں، اور مکہ معظمہ یا مدینہ طیبہ میں اللہ کے جو ایسے بندے ملیں جن کے پاس بیٹھنے سے اور جن کی بات سننے سے دینی فائدہ ہوتا ہو یعنی اللہ یاد آتا ہو اور دل میں اس کی محبت اور اس کا خوف اور عبادت کا شوق پیدا ہوتا ہو تو اس کی صحبت کو اکسیر اور کیمیا سمجھیں اور کچھ دیر کیلئے اس کے پاس ضرور بیٹھا کریں۔

(۹) اس پورے سفر میں عام انسانی اور مادی ضروریات کھانے پینے اور خرید و فروخت وغیرہ میں کم سے کم اور صرف بقدر ضرورت وقت صرف کیا جائے، باقی سارا وقت عبادات میں اور دوسرے دینی کاموں میں صرف کرنا چاہیئے۔ اس معاملہ میں بہت سے حجاج سے بڑی کوتاہی ہوتی ہے، وہ مکہ مدینہ میں بھی بڑی بے فکری اور بے دردی سے اپنا وقت دنیوی کاموں میں

برباد کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بڑے گھاٹے میں رہتے ہیں اور ایک طرح مکہ مدینہ کی اور اس مقدس سفر کی ناقدری کرتے ہیں۔

(۱۰) بعض لوگ حج و زیارت سے فارغ ہوکر گھر کی واپسی کے لئے ایسے بیتاب ہوتے ہیں گویا کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار تھے، بہت سے وقت سے بہت پہلے جدہ آکر پڑجاتے ہیں۔ یہ بات بڑی خطرناک ہے، حاجی کی کیفیت یہ ہونی چاہیئے کہ وہاں سے آنے کو اُس کا جی نہ چاہیے اور واپسی سے غم ہو۔ الغرض حج و زیارت سے فارغ ہوکر جتنے دن وہاں کے قیام کی سعادت کسی کو نصیب ہو اُس کو نعمت اور غنیمت سمجھے اور شکر کرے کہ اس کو اس کا موقع دیا جارہا ہے۔

(۱۱) اہلِ حرمین کو مکہ یا مدینہ کے ساکن ہونے کی حیثیت سے جو شرف حاصل ہے اُس کو نہ بھولا جائے اور اُس نسبت کا پورا پورا احترام کیا جائے، اور اسی نسبت کی وجہ سے اُن کے ساتھ محبت اور عظمت کا معاملہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ سفر عشق و محبت کا سفر ہے، اور سچا عاشق محبوب کی گلی کے کتوں سے بھی محبت کرتا ہے۔ ؎

پائے سگ بوسیدہ مجنوں خلق گفتہ ایں چہ بود
گفت گاہے گاہے ایں در کوئے لیلیٰ رفتہ بود

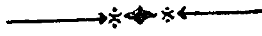
اگر حج کو جانے والوں نے ان چند باتوں کا اہتمام کرلیا تو انشاء اللہ وہ بڑی دینی برکتوں کے ساتھ واپس ہوں گے اور اُن کا حج خدا نے چاہا تو بڑا مبارک اور مقبول حج ہوگا ــــــ کیا عرض کیا جائے حج کا سفر تو ایسی کیمیا ہے کہ اگر اللہ توفیق دے تو ایک جاہل اور عامی بھی دو تین مہینے کے اس سفر میں ولی بن کر آسکتا ہے، مگر افسوس! لاپروائی سے یہ مقدس سفر بالکل ضائع ہورہا ہے۔

ناظرین کرام سے گذارش!

اللہ کے جن بندوں کی نظر سے یہ مضمون گذرے اُن سے گذارش اور توقع ہے کہ وہ جتنے عازمینِ حج تک اس کو پہنچا سکتے ہوں پہنچائیں اور صرف اس کے دکھلانے یا پڑھ کر سنا دینے پر بس نہ کریں بلکہ زبانی انھیں اس کی اہمیت سمجھائیں اور ان مشوروں پر عمل کرنے کے لئے انھیں

روضۂ اطہر کے سامنے

از جناب سید آنیس الدین احمد صاحب رضوی، امروہوی
ایم، اے، ایل، ایل، بی "علیگ"



اے جذبۂ دل لے چل، للہ وہیں لے چل

داد از غم مہجوری، اے قلب حزیں لے چل
اے سازِ یقیں لے چل، اے سوزِ یقیں لے چل
اے ذوقِ نظر لے چل، اے شوقِ جبیں لے چل
اس روضۂ اقدس کے، اس در کے قریں لے چل

اے جذبۂ دل لے چل، للہ وہیں لے چل

وہ سامنے آنکھوں کے روضہ نظر آتا ہے
فردوسِ محبت کا نقشہ نظر آتا ہے
آنکھوں سے کچھ اٹھتا سا، پردہ نظر آتا ہے
خورشیدِ محبت کا جلوہ نظر آتا ہے

اے جذبۂ دل لے چل، للہ وہیں لے چل

غرقابِ مصیبت کو ساحل نظر آتا ہے
مجنونِ طریقت کو محمل نظر آتا ہے
اس در سے کہیں جانا مشکل نظر آتا ہے
یہ سر انہیں قدموں کے قابل نظر آتا ہے

اے جذبۂ دل لے چل، للہ وہیں لے چل

پوچھے کوئی اس دل سے جو کشتۂ فرقت ہے
ناکامِ تمنا کیوں بیتابِ زیارت ہے
وہ بارگہِ انور عشاق کی جنت ہے
تسکینِ تمنا ہے، تقدیسِ محبت ہے

اے جذبۂ دل لے چل، للہ وہیں لے چل

دنیائے محبت پر رحمت کی گھٹا چھائی   میخانۂ وحدت پر ہیں جمع تماشائی
پھر ساقیٔ طیبہ نے کی انجمن آرائی   بیتاب ہے اس سر میں پھر شوق جبیں سائی

اے جذبۂ دل لے چل، للّٰہ وہیں لے چل

گلزار بداماں ہے ہر نخل گلستاں کا   صد مہر درخشاں ہے ہر ذرّہ خیاباں کا
ہر گوشہ میں منظر ہے دربار سلیماں کا   واللہ ہے عجب عالم بزم شہ ذیشاں کا

اے جذبۂ دل لے چل، للّٰہ وہیں لے چل

اے جذبۂ دل تو ہی اس دل کی نشانی ہے   اس در کے قریں لے چل جو قصر معانی ہے
ہے ایک خلش دل میں جو ان کو دکھانی ہے   اک غم کی کہانی ہے جو ان کو سنانی ہے

اے جذبۂ دل لے چل، للّٰہ وہیں لے چل

اس درگہ والا پر باچشم تر آیا ہوں   اپنے دل مفتوں کی لے کر خبر آیا ہوں
اک ٹوٹے ہوئے دل کا میں نوحہ گر آیا ہوں   آنکھوں کے بل آیا ہوں خاکم بسر آیا ہوں

اے جذبۂ دل لے چل، للّٰہ وہیں لے چل

کہتا ہے کہ آیا ہوں اس در پہ میں فریادی   کہتا ہے کہ لایا ہوں اک محضر بربادی
کہتا ہے کہ قسمت نے کیا کی ستم ایجادی   کہتا ہے کہ اک میں ہوں اور بخت کی ناشادی

اے جذبۂ دل لے چل، للّٰہ وہیں لے چل

کہتا ہے انیس ان سے دوران جبیں سائی   اے منظر محبوبی اے شان دل آرائی
کن برسر تابوتم یک جلوہ بہ رعنائی   اے درلب لعل تو اعجاز مسیحائی
اے بادشہ خوباں داد از غم تنہائی   دل بے تو بجاں آمد وقت است کہ باز آئی

اے جذبۂ دل لے چل، للّٰہ وہیں لے چل

شوقِ حرمین

(از حضرت صوفی ایم، اے)

خیز و بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا بخواں　　کشتی تو باد خود ہر موج بحرِ بیکراں
یہ لبِ ساحل! یہ میں! یہ سطحِ دریا! یہ جہاز!　　دیر کیا ہے ناخدا؟ اے باخدا عمرت دراز!
دیکھئے وہ کب پکاریں! گوش برآواز ہوں!　　گرچہ میں بے بال و پر ہوں، مائلِ پرواز ہوں!
بے سر و ساماں ہوں یارب نہ زر رکھتا ہوں نہ ساز　　کھینچ لے اپنی کشش سے مجھکو اے ارضِ حجاز!
آستاں سائی کے قابل میری پیشانی نہیں　　میرے مولا عفو و بخشش میں تری ثانی نہیں!
دل ہے پہلے ہی سے اے آلامِ دنیا چور چور　　دیکھ کر مجھ کو کہیں وہ بھی نہ کہہ دیں "دور دور"
وہ بلاتے، میں یہ کہتا ہو کے خوش با چشمِ نم　　خوش رہو اے دوستو! میں تو چلا سوئے حرم!
کیا کہوں میں! دل تو کہتا ہی بلائیں گے ضرور　　آہ یہ بیم و رجا! یہ شوق! اُف میں ناصبور!
لیجئے منشورِ احسان و کرم آ ہی گیا　　اے دلِ بے صبر لے! اذنِ حرم آ ہی گیا
لو چلا میں، الفراق! اے میرے پیارو الفراق!　　الفراق، اے محسنو! اے میرے یارو الفراق!
میرے مخدومو! عزیزو! غمگسارو! الفراق!　　میرے چھوٹو! چارہ سازو! جاں نثارو! الفراق!
سب کی ہمدردی کا میں محتاج ہوں اُمیدوار　　میں سراپا عجز ہوں سر تا قدم ہوں افتقار
جا رہا ہوں میں خدا کے گھر کفن پہنے ہوئے　　موت کی پوشاک ہے زندہ بدن پہنے ہوئے
رحم مجھ میت نما مسکین پر فرمائیے　　میری مٹی بھی ٹھکانے ہو اگر فرمائیے
اے مسافر کوئی حق العبد اب تجھ پر نہیں!　　دار و گیرِ روزِ محشر سے نہ ہو اندوہگیں
دست بستہ آپ سب سے ہے یہ میری التجا　　بخش دیجئے ساری تقصیریں مری بہرِ خدا
میری جانب سے کسی دل میں نہ رہ جائے خلش　　ہے سرِ تسلیم خم، فرمائیے گر سرزنش
جس کا جی چاہے سزا دے یا کرے مجھ پر عتاب　　سہل ہو جائے مگر مجھ پر قیامت کا حساب

میں دُعا گو ہوں کہ یارب سب رہیں آباد و شاد — آپ سب مجھ کو دُعا دیں، میں نہ لوٹوں نامراد
وہ مجھے اپنا بنا لیں سب سے کر کے بے نیاز — جان ہو اُن پر فدا، ہو جسم پیوندِ حجاز
آؤ اے بچّو! تمھیں بھی پیار کر لوں ایک بار — اس دلِ بیتاب کو بھی شاید آ جائے قرار
دل کے ٹکڑو، اے مری آنکھوں کے تارو الفراق! — اے مری بچھڑی ہوئی کی یادگارو الفراق!

دل پھٹا جاتا ہے، اے اللہ اس دل کو سنبھال!
حُبِّ غیر اللہ کے جنجال سے مجھ کو نکال!

شوقِ حج کے سامنے اب منزلِ میقات ہے — اے خدا میرا سہارا ایک تیری ذات ہے
دل پہ یارب عظمتِ کعبہ کا پرتو ڈال دے — گنبدِ خضرا کی اک تابندہ تر ضو ڈال دے
مجھ پہ بھی کعبہ کی پنہانی حقیقت کھول دے — لیلیٔ کعبہ مجھے دیکھے تو منہ سے بول دے
میں خلیلؑ و مصطفےؐ کی یادگاریں دیکھ لوں — میں ترے اسلام کی زندہ بہاریں دیکھ لوں
جاگ اُٹھے خوابیدہ دل لبیک کی آواز سے — آشنا ہو جاؤں میں حقّانیت کے راز سے
مجکو، میرے حج کو، میرے عجز کو کر لے قبول — تا دمِ آخر نہ ہو تیری اطاعت سے ذہول
معصیت میں ایسی ناپاکی نظر آئے مجھے — نفس یا شیطاں ملوث پھر نہ کر پائے مجھے
مجکو اے مولا غذائے رُوح تیرا نام ہو — تیرے نامِ پاک پر اس زیست کا انجام ہو
ہو مری اولاد یارب باقیات الصّالحات — ہو عطا ان کو صلاحِ زندگی خیرِ حیات
اُمّتِ مرحوم پر ہو تیری رحمت کا نزول — خاص کر بر آل و بر اصحاب و ازواجِ رسولؐ
صوفیِ ناچیز پر بھی ہو کریمی کی نظر — خاتمِ ہر مدّعا ہے یہ دُعائے مختصر
حاصلِ سرمایۂ اعزاز ہے نذرِ سجود — آبروئے ہر دُعا و ہر عبادت ہے درود

السّلام علیک منّی والصّلوٰۃ یا رسولؐ
لیس لی حسن العمل کیف النّجاۃ یا رسولؐ

عزم "روانگی کے وقت"

(از حضرت صوفی ایم اے)

بدن کو میں مدینہ کی گلی کی خاک کردوں گا
انھیں مژگان و ابرو کو خس و خاشاک کردوں گا

کہا میقات ہے نزدیک کب احرام باندھے گا
کہا احرام کیسا میں بدن بھی چاک کردوں گا

ملوں گا اپنے مولیٰ سے مجرد ہو کے قالب سے
اگر اپنی چلی خاکی بدن کو خاک کردوں گا

مرے دل میں نہیں کچھ بھی سوا داغِ محبت کے
یقیں اُن کو نہ آیا —— اپنا پہلو چاک کردوں گا

اگر نکلی مرے دل میں کہیں آلائشِ دُنیا
شرابِ ناب سے دھو کر یہ ساغر پاک کردوں گا

جو دیکھوں گا مری جانب نہیں ہی التفات اُن کو
محبت کی نظر کو دیدۂ نمناک کردوں گا

ترے ہوتے کسی کو کوئی کہہ دے گیسوؤں والا
قیامت میں ابھی برپا تہہِ افلاک کردوں گا

ابھی سے اُن کے کوچہ میں نہیں جوش و خروش اچھا
وہ چاہیں گے تو اے صوفیؔ تجھے بیباک کردوں گا

"حج کے بعد!"

حسرت اور تمنا

حسرت:-

یہ حسرت، رہ گئی پہلے سے حج کرنا نہ سیکھا تھا
کفن بردوش جا پہونچا مگر مرنا نہ سیکھا تھا

نہ رہبر تھا، نہ رہرو تھا، نہ منزل آشنا تھا میں
محبت کا سمندر، دل کی کشتی، ناخدا تھا میں

ہوائیں تھیں، تلاطم تھا، سفینہ ڈگمگاتا تھا!
بڑا گہرا سمندر تھا، جدھر نظریں اُٹھاتا تھا

وہ موتی تہ نشیں تھے، میں مسافر جن کا جویا تھا
کہاں موتی، کہاں میں! خود سفینہ ہی ڈبویا تھا

اگر فضلِ الٰہی دستگیر اپنا نہ ہو جاتا
تو اک ادنیٰ تھپیڑا موجِ عصیاں کا ڈبو جاتا

تسلسل وارداتِ عشق کا حج ہے خبر کیا تھی
جہاں ہو شرطِ یکسوئی یہ آوارہ نظر کیا تھی

یہ کیا معلوم تھا اُن کی تجلّی کیسی ہوتی ہے
خبر کیا تھی کہ دل کیسا، تسلّی کیسی ہوتی ہے

یہ کیا معلوم تھا کیا چیز خود لیلائے کعبہ ہے
خبر کیا تھی کہ کس رفعت کے اوپر پائے کعبہ ہے

اسے لے دے کے ابراہیمؑ کی تعمیر سمجھا تھا
جو خود ہی جان وقالب ہے اسے تصویر سمجھا تھا

زمیں سے عرشِ اعظم تک کبھی دیکھا نہ تھا میں نے
غضب ہے اپنا پرچم تک کبھی دیکھا نہ تھا میں نے

فقط اک نام سے معمور کے کچھ آشنائی تھی
یہ کیا معلوم تھا کعبہ اسی کی رونمائی تھی

سمجھتا تھا صدا لبیک کی آواز ہے خالی
وہاں پہونچا تو حسرت تھی کہ اپنا ساز ہی خالی

کوئی نغمہ نہ تھا شایانِ محفل سازِ ہستی میں
خدا کا نام بھی لینا نہ سیکھا خود پرستی میں

ہزاروں منزلیں آئیں گئیں، میں رہ گیا سوتا
دلِ بیدار ہی لے کر نہ پہونچا تھا تو کیا ہوتا

نہ ہے وہ آنکھ جو وا ازپئے دیدار ہو جائے
نہ ہے وہ دل وہاں جو مہبطِ انوار ہو جائے

صفا[1] مروہ[2] مقام سعی[3] زمزم[4] خیف[5] چٹانیں
میں ششدر تھا اُڑاتے تھے یہ سب عرفان کی تانیں

دلِ ہر ذرّہ سے تھی چھوٹ انوارِ الٰہی کی
مگر کچھ فکر میں نے کی نہ تھی دل کی سیاہی کی

خبر کیا تھی کہ کیا ہیں بو قبیس و طور کے جلوے
یہ کیا معلوم تھا ہوتے ہیں کیسے نور کے جلوے

یہ کیا معلوم تھا اُن کی کرم فرمائیاں کیا ہیں
حرا کی خلوتیں، یا ثور کی یکجائیاں کیا ہیں

مری چشمِ محبت خونِ حسرت اب بھی روتی ہے
خبر اے کاش یہ ہوتی کہ حج کیا چیز ہوتی ہے

وہ منزل قربِ باری کی، وہ رفعت کوۂ رحمت کی
خبر کیا تھی کہ یہ سیڑھی ہے معراجِ محبت کی

گیا، حج کرکے لوٹ آیا تو اب حسرت یہ ہے طاری
کہ پہلے سے نہ کی افسوس حج کرنے کی تیاری

حرم سطحِ زمیں پر مرکزِ عشق و محبت ہے
جسے کہتے ہیں صحرائے عرب بحرِ حقیقت ہے

جسے کہتے ہیں حاجی غیرتِ صد قیس ہوتا ہے
پکڑ کر دامنِ لیلائے کعبہ خوب روتا ہے

نہ جانے سحر کیا کرتی ہے یہ کالی ردا والی
کہ لاکھوں قیس آکر چومتے ہیں عتبۂ عالی

نہ سیریں ہیں، نہ تفریحیں تجارت ہے، نہ میلے ہیں
مگر اس دشت میں یہ جذب و مستی ہے، یہ ریلے ہیں

اگر فولاد کے کانٹے بچھائے جائیں صحرا میں
بجائے موج زنجیریں اگر تن جائیں دریا میں

تو ابراہیمؑ نے جن خوش نصیبوں کو پکارا تھا
پکارا کیا! جنونِ عشق کا ایک نقش ابھارا تھا

وہ مجنونِ محبت، وہ سراپا عشق دیوانے
چلے آئیں گے کانٹے توڑنے، زنجیر کھڑکانے

یہ دیوانے اگر پہلے سے کچھ ہشیار ہو جاتے
حرم میں بن کے محرم صاحبِ اسرار ہو جاتے

جسے کہتے ہیں بطحا منزلِ عشقِ الٰہی ہے
یہاں شاہی فقیری ہے، فقیری رشکِ شاہی ہے

کفن پہنے، پریشاں حال، وہ ژولیدہ مو راہی
چلا آتا ہے آنکھیں پونچھتا سرمستِ جاں کاہی

یہ جاں کاہی حقیقت میں حیاتِ جاودانی ہے
وگرنہ گوشت، ہڈی، کھال، مٹی، خون، پانی ہے

فضاؤں میں یہیں کی عشق کا پودا پھپکتا ہے
ہوا یہ کھا کے گلزارِ دلِ سوسن لہکتا ہے

منور کرکے قندیلِ حرم سے اپنے سینے کو
چلا جاتا ہے ہنستا کھیلتا حاجی مدینے کو

ملائک راہ میں پیروں کے نیچے پر بچھاتے ہیں
یہ ہے عشاق جو محبوب کی گلیوں میں جاتے ہیں

یہ وہ دربار ہے روح الامیںؑ درباں ہیں جس کے
سمجھ میں کاش آجاتے یہ رتبے انکی مجلس کے

ہزاروں بار تجھ پر اے مدینہ میں فدا ہوتا
جو بس چلتا تو مر کر بھی نہ میں تجھ سے جدا ہوتا

یہیں ہاں دادگانِ عشق کی بزمِ حسیناں ہے
احد کا دامنِ زرّیں نگیں رانِ شہیداں ہے

اگر کانِ شہادت کی طرف ہم کان دیتے ہیں
تو یہ معلوم ہوتا ہے صحابہؓ سانس لیتے ہیں

نبیؐ کے نطق کی حامل مدینہ کی ہوائیں ہیں
یہاں گونجی ہوئی اب تک صحابہؓ کی صدائیں ہیں

فضا خاموش ہو جاتی ہے جب تارے دنکی چھاؤں میں
تو ہنگامِ تہجد کی سکوت افزا فضاؤں میں

نبیؐ کا نطق دل میں نور سینہ بن کے آتا ہے
صحابہؓ کا تکلّم اک سکینہ بن کے آتا ہے

یہاں کا ذرّہ ذرّہ کھینچتا ہے دل کے دامن کو
کہ او طائر کہاں؟ اب چھوڑ کر اپنے نشیمن کو

کہیں ایسا نہ ہو مر کر کہیں برباد ہو جائیں
چلو طیبہ چلیں صوفیؔ وہیں آباد ہو جائیں

تمنّا:-

تمنّا ہے کوئی اللہ والا پھر دُعا کر دے
کہ مجکو ربِّ کعبہ دولتِ حج پھر عطا کر دے

وہی تیاریاں ہوں پھر علائق سے جدا ہو کر
یہ بندہ پھر خدا کا ہو کے ترکِ ماسوا کر دے

گلے سے اپنے بچوں کو لگاؤں اور جُدا کر دوں
محبت اپنی غالب ہر محبت پر خدا کر دے

چلوں گھر چھوڑ کر جس دم تو ربّ البیت کا ہاتف
نویدِ باریابی دل کے پردوں کو اُٹھا کر دے

وطن کے باغ سے جسوقت نکلوں راہِ غربت میں
مدینہ یاد آ کر بابِ جنّت مجھ پہ وا کر دے

مجھے رخصت کریں رو رو کے جس دم آنسوؤں والے
جنونِ شوق بحرِ اشک میں طوفاں بپا کر دے

مُسافر کہہ کے بسم اللہ مجرٖیھا و مرسٰہا
جہازِ زندگی اپنا سپردِ ناخدا کر دے

کفن پہنائے جب مجکو خدا میقاتِ ہستی پر
فنا فی اللہ کر کے زندگی سر تا بپا کر دے

صدا لبّیک کی یکبارگی جب چارسو گونجے
مجھے دیوانگی اُس وقت مصروفِ بکا کر دے

فغاں کے ساتھ نکلیں پے بہ پے لبّیک کی چیخیں
تصوّر اُنکے گھر کا میری حالت کیا سے کیا کر دے

برہنہ پا، برہنہ سر، کفن بر دوش جا پہنچوں!
جہانِ شوق میں میرا جنوں محشر بپا کر دے

وہی صحرا، وہی دشت و جبل پھر آنکھ سے دیکھوں
غبار اُن کی گلی کا میری آنکھیں سرمہ سا کر دے

وہ دیکھوں میں بیاں سے جسکے عاجز ہو زباں میری
وہ اتنا دے کہ مجکو بے نیازِ مدّعا کر دے

حدودِ پاک میں اُسکے حرم کے سر کے بل اُتروں
وہ سجدوں کو مرے قائم مقامِ نقشِ پا کر دے

تقاضائے ادب یوں آبلہ پائی کی خو ڈالے
نیازِ راحلہ کی قید سے مجکو رہا کر دے

نیازِ عاشقی لیکر گلی میں اُن کی یوں دوڑوں
کہ مجکو جذبِ معشوقانہ منزل آشنا کر دے

تڑپ کر جان دے دوں جب حریمِ پاک میں پہنچوں!
مگر پھر جی اُٹھوں جب دامنِ کعبہ ہوا کر دے

بہت روؤں لپٹ کر لیلیٰ کعبہ کے دامن سے
یہ بارش آنسوؤں کی نخلِ ہستی پھر ہرا کر دے

اُسے چوموں حبیبِ کبریا نے جس کو چوما ہے ۔۔۔ کہ شاید لذتِ عشقِ نبیؐ سے آشنا کر دے

عذارِ کعبہ کا اک خالِ دلکش سنگِ اسود ہے ۔۔۔ نہیں چشمِ سیہ ہے، حُسن جس کو سُرمہ سا کر دے

پیوں پھر سیر ہو کر آبِ زمزم چاہِ زمزم پر ۔۔۔ مرا جامِ طلب لبریز یہ آبِ بقا کر دے

شعائر پر خدا کے جاؤں ذوقِ باجرۂ لیکر ۔۔۔ مری توفیق شرحِ آیۂ اِنّ الصّفا کر دے

جھکاؤں سر کو اسماعیلؑ ساں ہر سنگریزے پر ۔۔۔ مجھے قسمت اگر آوارۂ دشتِ منا کر دے

پیادہ پا چلوں پھر خیف سے میں سوئے مزدلفہ ۔۔۔ کہ مشعر پر خدا پھر ذکر کی نعمت عطا کر دے

بڑھوں رحمت کی جانب کہہ کے پھر ادنا منا سکنا ۔۔۔ کہ اپنے پاک گھر کا مجکو حاجی پھر خدا کر دے

منا میں جب کفن اترے تو میرا فاطرِ ہستی ۔۔۔ حیاتِ طیبہ کا خلعتِ تازہ عطا کر دے

اُڑا لے جائے پھر سوئے حرم مجکو مری حسرت ۔۔۔ کہ بلبل گل کے آگے آخری مجرا ادا کر دے

تمنّا ہے مری چشمِ ارادت دل کا سرمایہ ۔۔۔ نثارِ آستینِ شاہدِ مشکیں قبا کر دے

گزر کر عشق و شورش کے منازل سے چلوں طیبہ ۔۔۔ تو وہ حُسن آفریں میری ادائیں دلربا کر دے

حبیبِ کبریا کی بزمِ محبوبی میں جا پہنچوں! ۔۔۔ کرم پھر مجھ پہ اتنا وہ حبیبِ کبریا کر دے

جہاں سے گنبدِ خضرا نظر آئے اِن آنکھوں کو ۔۔۔ کوئی اپنے قصیدے کی وہیں سے ابتدا کر دے

درودوں کے ترنم سے صدا لے بازگشت اُٹھے ۔۔۔ پہاڑوں کو نبیؐ کا نعت خواں محوِ ثنا کر دے

نظر جس وقت آنکھوں کو مری بابُ السّلام آئے ۔۔۔ نکل کر جان قالب سے ادب کا حق ادا کر دے

یہ وہ در ہے جہاں لاکھوں ملائک سر بسجدہ ہیں ۔۔۔ دُعا یہ ہے کہ توفیقِ ادب مولیٰ عطا کر دے

کوئی مجھ سے بتاؤ میں وہاں پہنچوں تو کیا ہوگا ۔۔۔ وہیں کا ہو رہوں بس یہ کرم مجھ پر خدا کر دے

گلِ خوبی نہیں، گلزارِ خوبی، بلکہ جو کچھ ہے ۔۔۔ اُسی کا مجکو مولیٰ بلبلِ شیریں نوا کر دے

درودوں کے تحائف پیش کر کے میں کہوں اُس سے ۔۔۔ کہ اے شاہِ دو عالمؐ مجکو طیبہ کا گدا کر دے

ترے کوچے میں گو مٹنے کے قابل میں نہیں لیکن ۔۔۔ ترا جود و سخا، تیری دعا، تیری عطا کر دے

بقیعِ پاک میں ڈھونڈا ہی میں نے خواب میں مدفن! ۔۔۔ خدا اس خواب کو اک واقعہ سرتا بپا کر دے

تمنّا ہے کہ خاکِ پاک کا پیوند ہو جاؤں
تمنّا صوفیؔ محتاج کی پوری خدا کر دے

"بہار در بہار"

زائر حرم
حمید صدیقی لکھنوی

نسیم مشکبار ہے، شمیم خوشگوار ہے
چمن چمن بہار ہے، بہشت درکنار ہے

نظر کے سامنے زہے نصیب وہ دیار ہے
لطافتوں پہ جس کی جانِ عاشقاں نثار ہے

نہ کوئی اضطراب ہے، نہ کوئی انتشار ہے
سکون ہی سکون ہے، قرار ہی قرار ہے

مری نگاہ تیز ہے، دلِ سرور خیز ہے
ہوائے عطر بیز ہے، فضائے نور بار ہے

نظر نظر پہ چھا گئی، دلوں میں یہ سما گئی
مدینہ کی بہار کیا بہار در بہار ہے

پہاڑیوں کے سلسلے، جدا جدا، ملے ملے
کہیں یہ جوئبار ہے، کہیں یہ آبشار ہے

کمالِ ذوق و شوق سے رواں ہیں اہلِ کارواں
پیادہ چل رہا ہے کوئی اور کوئی سوار ہے

قدم بڑھائے ساربان چلا ہے جھومتا ہوا
ترانۂ حدی زباں پہ ہاتھ میں مہار ہے

بگولے راہِ شوق کے بلند ہو کے بول اُٹھے
خزاں نہیں، خزاں نہیں بہار ہے بہار ہے

یہی وہ ارضِ پاک ہے، شرف دیا گیا جسے
یہی ہے وہ دیار جس پہ دو جہاں نثار ہے

ضیا فگن ہے کہکشاں، زمیں سے تا بہ آسماں
حدِ نگاہ تک ملائکہ کی یا قطار ہے

لگاؤ بڑھ کے شوق سے تم اپنی آنکھ میں اسے
مدینۃ الرسولؐ کا یہ زائرو غبار ہے

زمیں پہ ہوں کہ عرش پر مجھے نہیں ہے اب خبر
کسی کی بارشِ کرم ہے اور بار بار ہے

کمالِ حس ہے بے حسی، خودی ہے عین بے خودی
جو خود سے بے خبر رہے یہاں وہ ہوشیار ہے

قدم نہ جو بڑھا سکا، نہ تابِ دید لا سکا
یہیں کہیں پہ اس شہیدِ عشق کا مزار ہے

نظر بجانبِ حرم، بشوقِ دل، بچشمِ نم
کھڑے ہیں اس طرح کسی کا جیسے انتظار ہے

اُحد کا عالمِ سحر ہے، کتنا جاذبِ نظر
اِدھر بھی لالہ زار ہے اُدھر بھی لالہ زار ہے

جھکا ہوا ہے سبز گنبدِ حضور کی طرف
قبائے چرخِ نیلگوں اگرچہ زرنگار ہے

نظر فروز و دلنواز، عام بارشِ کرم
شعاعیں یہ کلس کی ہیں کہ نور کی پھوار ہے

یہ اپنی اپنی نسبتیں، یہ اپنا اپنا اعتبار
جو کوئی شاد شاد ہے، تو کوئی اشکبار ہے

نگاہیں فرشِ راہ ہوں حمید سر کے بل چلو
ادب، ادب، یہ کوچۂ حبیبِ کردگار ہے